السلام علیکم ورحمة اللہ وبرکاتہ

میں نے ایک عالم سے کہا کہ مؤطا میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے گیارہ رکعات تراویح ثابت ہیں۔ اس نے مجھے کہا کہ گیارہ والی روایت مضطرب ہے میں اناڑی تھا خاموش ہوگیا۔ میں اب آپ سے التماس کرتا ہوں کہ آپ مجھے مضطرب کی تعریف عربی میں اور ترجمہ اُردو میں لکھ کر بھیجیں۔ مطلوب حدیث کے اطلاقات واضح کریں اوراس گیارہ والی روایت کے سارے طرق لکھ کر وضاحت فرمائیں کہ یہ مضطرب نہیںہے۔ مزید کوئی مضطرب حدیث بھی لکھ بھیجیں تاکہ دونوں کا فرق واضح ہوسکے۔ (اللہ دتہ، کامرہ اٹک

الجواب بعون الوہاب بشرط صحة السؤال

وعلیکم السلام ورحمة اللہ وبرکاتہ
الحمد للہ، والصلاة والسلام علیٰ رسول اللہ، أما بعد!

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے ابی بن کعب اور تمیم داری رضی اللہ عنہ کو گیارہ رکعات پڑھانے کے حکم والی مؤطا امام مالک رحمہ اللہ کی روایت پر تفصیلی بات چیت اس بندۂ فقیر الی اللہ الغنی کی کتاب ''تعداد تراویح'' میں دیکھ لیں۔ ان شاء اللہ العزیز اس سلسلہ میں آپ کے شکوک وشبہات دور ہوجائیں گے۔ بفضل اللہ وتوفقیہ۔ میرے پاس تعداد تراویح کا کوئی نسخہ نہیں کہیں سے حاصل کرلیں اور پڑھیں۔ ۱۳ ۱ ۱۴۲۳ھ

تعدادِ تراویح استادِ محترم حافظ عبدالمنان صاحب نورپوری کی کتاب ہے جو مولانا غلام سرور صاحب گجراتی کے رسالہ ''بیس رکعات تراویح کا شرعی ثبوت'' کے جواب میں لکھی گئی۔ اس رسالہ میں مولانا غلام سرور صاحب نے] مؤطا امام مالک کی گیارہ رکعات والی روایت کو مضطرب کہا ہے۔ استادِ محترم نے اسی بات کی تحقیق کی جوکہ قارئین کے افادہ کےلیے درج کی جارہی ہے :

گیارہ رکعات والی روایت پر کلام کی تحقیق

حضرت المؤلف فرماتے ہیں:

اب رہی وہ روایت جو حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ابی بن کعب اور تمیم داری رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو گیارہ رکعات پڑھائیں (مؤطا امام مالک باب'' قیام رمضان) سو یاد رہے کہ اس اثر کے ناقل صرف اور صرف محمد بن یوسف ہیں اور محمد بن یوسف کے پانچ شاگرد ہیں اور ان پانچوں کے بیان باہم مختلف ہیں جیسا کہ درج ذیل نقشہ سے صاف ظاہر ہے:

سائب بن یزید صحابی رضی اللہ عنہ

محمد بن یوسف

(امام مالک ۱) ۔

(یحییٰ بن سعید ۲) ۔

(عبدالعزیز بن محمد ۳) ۔

(ابن اسحاق ۴) ۔

(داؤد بن قیس وغیرہ ۵) ۔

حضرت عمر نے ابی بن کعب اور تمیم داری کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو گیارہ رکعت پڑھائیں۔

بحوالہ

مؤطا امام مالک

رحمہ اللہ تعالیٰ

(حضرت عمر نے ابی ابن کعب اور تمیم پر لوگوں کو جمع کیا، پس وہ دونوں گیارہ رکعت پڑھتے تھے (اس میں حضرت عمر کے حکم کا ذکر نہیں

بحوالہ

مصنف ابن ابی شیبہ

(ہم حضرت عمر کے زمانہ میں بماہ رمضان گیارہ رکعت پڑھتے تھے (اس میں نہ حکم کا ذکر ہے نہ ابی بن کعب و تمیم داری کا

بحوالہ

سنن سعید بن منصور

(ہم حضرت عمر کے زمانہ میں بماہ رمضان تیرہ رکعت پڑھتے تھے (اس میں بھی حکم اورابی بن کعب و تمیم کا ذکر نہیں اور گیارہ کی بجائے تیرہ کا ذکر ہے

بحوالہ

قیام اللیل

(حضرت عمر نے رمضان میں لوگوں کو ابی بن کعب اور تمیم داری کی اقتدا میں اکیس رکعت پر جمع کیا۔ (اس میں گیارہ کی بجائے اکیس کا ذکر ہے

بحوالہ

مصنف عبدالرزاق

پس اُصولِ حدیث کی رو سے یہ روایت مضطرب ہے اوراس حالت میں جب تک کہ کسی ایک بیان کو اُصول کے مطابق ترجیح نہ دی جائے یا تمام بیانات میں تطبیق نہ دی جائے اس وقت تک اس روایت کو کسی مدعا کے '' (ثبوت میں پیش کرنا درست نہیں۔ '' (ص : ۲۳، ۲۲

اولاً : ... صرف اور صرف محمد بن یوسف کے اس اثر کا ناقل ہونا کوئی وجہ ضعف نہیں۔ دیکھئے بخاری شریف کی پہلی حدیث : ((اِنَّمَا الاَعْمَالُ بِالنِّیَاتِ)) کے ناقل صرف اور صرف حضرت علقمہ ہیں حالانکہ حدیث انما الاعمال : بالنیات باتفاق جمیع محدثین صحیح ہے، پھر محمد بن یوسف سے متعلق صاحب رسالہ ہی لکھتے ہیں

(محمد بن یوسف ثقہ ثبت، تقریب، ص : ۲۳۸۔ '' (ص : ۹''

لہٰذا صاحب رسالہ کا قول ''اس اثر کے ناقل صرف اور صرف محمد بن یوسف ہیں۔ ''حقیقت حال کا بیان ہے تضعیف اثر نہیں۔

وثانیاً :

یحییٰ بن سعید قطان کا بیان ''حضرت عمر نے ابی بن کعب اور تمیم داری رضی اللہ عنہ پر لوگوں کو جمع کیا، پس وہ دونوں گیارہ رکعات پڑھتے تھے۔ '' امام مالک کے بیان ''حضرت عمر نے ابی بن کعب اور تمیم داری کو حکم دیا کہ ... وہ لوگوں کو گیارہ رکعات پڑھائیں۔ '' کے خلاف و منافی نہیں بلکہ یحییٰ بن سعید کا بیان بتا رہا ہے کہ حضرت ابی بن کعب اور تمیم داری کا عمل گیارہ رکعات تھا اور امام مالک کا بیان واضح کر رہا ہے کہ حضرت عمر نے ابی بن کعب اور تمیم داری کو گیارہ رکعات پڑھانے کا حکم دیا تھا تو ان میں موافقت ہے مخالفت اور منافات نہیں، یہ درست کہ یحییٰ بن سعید کے بیان میں حضرت عمر کے حکم کا ذکر نہیں مگر ان کے بیان میں حضرت عمر کے حکم کی نفی بھی تو نہیں ہے۔

نیز عبدالعزیز بن محمد کا بیان ''ہم حضرت عمر کے زمانہ میں بماہِ رمضان گیارہ رکعات پڑھتے تھے۔ '' امام مالک اور یحییٰ ابن سعید کے مذکورہ بالا بیانات کے خلاف و منافی نہیں کیونکہ اس میں نہ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے گیارہ رکعات کا حکم دینے کی نفی ہے اور نہ ہی حضرت ابی بن کعب اور تمیم داری کے گیارہ رکعات پڑھانے کی نفی ہے۔ باقی اس میں حکم اور ابی بن کعب و تمیم داری کا ذکر نہ ہونے سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے گیارہ رکعات پڑھانے کا حکم دینے اور حضرت ابی بن کعب و تمیم داری کے گیارہ رکعات پڑھانے کی نفی نہیں ہوتی، ہاں اس میں یہ ضرور بتایا گیا ہے کہ ہم لوگ حضرت عمر کے زمانہ میں بماہِ رمضان گیارہ رکعات پڑھتے تھے۔ ادھر امام مالک کے بیان کے مطابق حضرت عمر کا حکم بھی گیارہ رکعات ہی تھا اور یحییٰ بن سعید کے بیان کے موافق حضرت ابی بن کعب اور تمیم داری کا عمل بھی گیارہ رکعات ہی تھا۔

پھر محمد بن اسحاق کا بیان ''ہم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں بماہِ رمضان تیرہ رکعات پڑھتے تھے۔ '' بھی امام مالک، یحییٰ بن سعید اور عبدالعزیز بن محمد کے بیانات مذکور کے خلاف و منافی نہیں بشرطیکہ صاحب آثار السنن کی توجیہ ''تیرہ رکعات میں بعد از عشاء والی دو رکعات شامل ہیں۔ '' کو تسلیم کر لیا جائے باقی اس میں حکم اور ابی بن کعب و تمیم داری کا ذکر نہ ہونا ان کے بیانات سے مخالفت و منافات نہیں، کما تقدم۔ ہاں اگر صاحب آثار السنن کی توجیہ اور اس قسم کی کسی اور توجیہ کو تسلیم نہ کیا جائے تو پھر محمد بن اسحاق کا بیان عبدالعزیز بن محمد کے بیان کے منافی ہوگا کیونکہ اس میں ہے کہ ہم گیارہ رکعات پڑھتے تھے اور اس میں ہے کہ تیرہ رکعات پڑھتے تھے، البتہ محمد بن اسحاق کا بیان اس صورت میں بھی امام مالک اور یحییٰ بن سعید کے بیانات کے خلاف و منافی نہیں کیونکہ امام مالک کے بیان میں گیارہ کے حکم اور یحییٰ بن سعید کے بیان میں ابی بن کعب و تمیم داری کے گیارہ رکعات پڑھنے کا تذکرہ ہے اور محمد بن اسحق کے بیان میں ان دونوں چیزوں (حضرت عمر کے گیارہ کا حکم دینے اور ابی بن کعب و تمیم داری کے گیارہ پڑھنے) کی نفی نہیں کی گئی کیونکہ عدم ذکر کو نفی نہیں کہا جا سکتا۔

رہا داؤد بن قیس کا بیان ''حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رمضان میں لوگوں کو ابی بن کعب اور تمیم داری کی اقتداء میں اکیس رکعات پر جمع کیا۔ '' تو وہ واقعی امام مالک اور یحییٰ بن سعید کے بیانات کے خلاف و منافی ہے بشرطیکہ وہ مقبول ہو البتہ وہ عبدالعزیز بن محمد اور محمد بن اسحاق کے بیانات کے خلاف و منافی نہیں تو پتہ چلا کہ صاحب رسالہ کا فرمان ''اور ان پانچوں کے بیان باہم مختلف ہیں '' محل نظر ہے۔ فتدبر

وثانیاً :

قال العلامۃ الزرقانی فی شرح الموطا : وقولہ : ان مالکا انفرد بہ لیس کما قال فقد رواہ سعید بن منصور من وجہ آخر عن محمد بن یوسف فقال : احدی عشرۃ کما قال مالک اھ (ج : ۱، ص : ۲۳۹) وقال الحافظ فی الفتح : لم یقع فی ھذہ)) الروایۃ عدد الرکعات التی کان یصلی بھا ابی بن کعب وقد اختلف فی ذالک ففی الموطا عن محمد ابن یوسف عن السائب بن یزید انھا احدی عشرۃ ورواہ سعید بن منصور من وجہ آخر الخ (ج : ۴، ص : ۲۵۳) وقال صاحب آثار السنن : ماقالہ ابن عبدالبر من وھم مالک فغلط جدالان مالکا قد تابعہ عبدالعزیز بن محمد عند سعید بن منصور فی سننہ ویحیی بن سعید القطان عن ابی بکر بن ابی شیبۃ فی مصنفہ کلاھما عن محمد بن یوسف وقالا احدی عشرۃ کما رواہ مالک عن محمد بن یوسف ، واخرج محمد بن نصر المروزی فی قیام اللیل من طریق محمد بن اسحاق حدثنی محمد بن یوسف عن جدہ السائب بن یزید قال : کنا نصلی فی زمن عمر فی رمضان ثلاث عشرۃ رکعۃ۔ انتھی قلت : ھٰذا قریب مما رواہ مالک عن محمد بن یوسف ای (مع الرکعتین بعد العشاء اھ (التعلیق الحسن ، ص : ۲۰۳

ترجمہ :...ثانیا... علامہ زرقانی نے موطا کی شرح میں فرمایا : اس کا قول کہ مالک اس روایت میں اکیلے ہیں ، صحیح نہیں کیونکہ سعید بن منصور نے ایک دوسری سند کے ساتھ محمد بن یوسف سے بیان کیا اور فرمایا : ''گیارہ رکعتیں'' جس طرح مالک نے فرمایا : اھ (ج : ۱، ص : ۲۳۹) اور حافظ نے فتح میں فرمایا اس روایت میں ان رکعات کی تعداد مذکور نہیں جو ابی بن کعب پڑھاتے تھے ، اور اس کے متعلق اختلاف ہے۔ چنانچہ موطا میں محمد بن یوسف نے سائب بن یزید سے بیان کیا ہے کہ وہ گیارہ رکعتیں تھیں اور سعید بن منصور نے اسے ایک اور سند کے ساتھ بیان کیا ہے ...الخ۔ (ج : ۴، ص : ۲۵۳) اور صاحب آثار السنن نے فرمایا : ابن عبدالبر نے جو مالک کا وہم بتایا ہے بہت ہی غلط ہے کیونکہ مالک کی متابعت سنن سعید بن منصور میں عبدالعزیز بن محمد نے کی ہے اور مصنف ابن ابی شیبہ میں یحییٰ بن سعید بن قطان نے کی ہے ، دونوں نے محمد بن یوسف سے بیان کیا ہے اور گیارہ رکعتیں ذکر کی ہیں جس طرح مالک نے محمد بن یوسف سے بیان کیا اور محمد بن نصر مروزی نے قیام اللیل میں محمد بن اسحاق کے طریق سے روایت کی ہے کہ وہ کہتے ہیں مجھے محمد بن یوسف نے اپنے دادا سائب بن یزید سے بیان کیا کہ انہوں نے فرمایا کہ ہم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں رمضان میں تیرہ رکعتیں پڑھتے تھے انتہی میں کہتا ہوں یہ اس روایت کے قریب ہے جو مالک نے محمد بن یوسف سے بیان کی یعنی عشاء کے بعد کی دو رکعتیں ملا کر۔ (التعلیق الحسن ، ص : ۲۰۳ ''

: تو منقولہ عبارات دلالت کر رہی ہیں کہ یحییٰ بن سعید اور عبدالعزیز بن محمد نے امام مالک کی متابعت کی ہے اور متابعت موافقت کا نام ہے نہ کہ مخالفت کا۔ چنانچہ شرح نخبہ میں لکھا ہے

(وما تقدم ذکرہ من الفرد النسبی ان وجد بعد ظن کونہ فرداقد وافقہ غیرہ فھوالمتابع)) (ص : ۴۴))

''اور جس فرد نسبی کا ذکر پہلے ہو چکا ہے اسے فرد سمجھنے کے بعد اگر کوئی دوسرا راوی مل جائے جس نے اس کی موافقت کی ہو تو وہ متابع ہے۔''

: نیز ایک توجیہ کے مطابق محمد بن اسحاق بھی امام مالک رحمہ اللہ کی متابعت کرتا ہے جیسا کہ صاحب آثار السنن کے کلام سے مترشح ہو رہا ہے

وثالثاً : قال الحافظ ابن الصلاح : المضطرب من الحدیث ھوالذی تختلف الروایۃ فیہ فیرویہ بعضھم علی وجہ و بعضھم علی وجہ آخر مخالف لہ ، وانما نسمیہ مضطربا اذا تساوت الروایتان اما اذا ترجحت احدھما بحیث لا تقاومھا الاخری بان)) یکون راویھا احفظ اکثر صحبۃ للمروی عنہ وغیر ذالک من وجوہ الترجیحات المعتمدۃ فالحکم للراجحۃ ولا یطلق علیہ حینئذ وصف المضطرب ولا لہ حکمہ اھ (علوم الحدیث ، ص : ۸۴) وفی التدریب شرح التقریب : (النوع التاسع عشر المضطرب ھوالذی یروی علی اوجہ مختلفۃ) من راو واحد مرتین او اکثر او من راویین او رواۃ (متقاربۃ) وعبارۃ ابن الصلاح متساویۃ وعبارۃ ابن جماعۃ متقاومۃ بالواو والمیم ای ولا مرجح (فان رجحت احدی الروایتین) او الروایات (بحفظ راویھا) مثلاً (اوکثرۃ صحبتہ المروی عنہ او غیر ذالک) من وجوہ الترجیحات (فالحکم للراجحۃ ولا یکون) الحدیث (مضطربا) لا الروایۃ الراجحۃ کما ھو ظاھر ولا المرجوحۃ بل ھی شاذۃ او منکرۃ کما تقدم اھ (ص : ۱۶۹) وفی شرح النخبۃ : وان کانت المخالفۃ بابدالہ ای الراوی ولا مرجح لاحدی الروایتین علی الاخری فھذا ھو المضطرب وھو یقع فی الاسناد غالبا وقد یقع فی المتن لکن قل ان یحکم المحدث علی الحدیث بالاضطراب بالنسبۃ الی الاختلاف فی المتن دون الاسناد اھ وفی حاشیتہ : قولہ : ولا مرجح ...الخ فان ترجحت بان یکون راویھا احفظ او اکثر صحبۃ للمروی عنہ سیما اذا کان ولدہ او قریبہ او مولاہ او بلدیہ او غیر ذالک من وجوہ الترجیح المعتمدۃ ککونہ حین التحمل بالغا او سماعہ من لفظ شیخہ فالحکم للراجح ولا یکون الحدیث حینئذ مضطربا وکذا امکن الجمع بحیث یمکن اَن یکون المتکلم معبرا باللفظین فاکثر عن معنی واحد او یحمل کل منھما علی حالۃ لا تنافی الاخری شرح الشرح۔ اھ (ص : ۶۹) وفی شرح النخبۃ ایضا : فان خولف بارجح منہ لمزید ضبط او کثرۃ عدد او غیر ذالک من وجوہ الترجیحات فالراجح یقال لہ المحفوظ و مقابلہ وھو المرجوح یقال لہ الشاذ وھذا ھو المعتمد فی تعریف الشاذ بحسب الاصطلاح وان وقعت المخالفۃ مع الضعف فالراجح یقال لہ المعروف و مقابلہ یقال لہ المنکر اھ مقتصراً (((ص : ۴۳، ۴۲) وفی شرح النخبۃ ایضاً۔ وان کانت المعارضۃ بمثلہ فلا یخلوا اما ان یمکن الجمع بین مدلولیھما بغیر تعسف اولا فان امکن الجمع فھو النوع المسمی بمختلف الحدیث اھ (ص : ۴۷

ترجمہ :...ثالثاً... حافظ ابن صلاح نے فرمایا : مضطرب حدیث وہ ہے جس میں روایت مختلف ہو جائے چنانچہ کوئی اسے ایک طرح روایت کرے اور کوئی دوسرے طریقہ پر جو پہلے کے مخالف ہو۔ ہم اسے مضطرب کا نام '' صرف اس وقت دیں گے جب دونوں روایتیں (قوت میں) برابر ہوں لیکن جب ان دونوں میں سے ایک کو ایسی ترجیح حاصل ہو جائے کہ دوسری اس کے بالمقابل نہ رکھی جا سکتی ہو اس وجہ سے کہ اس کا راوی حافظے میں زیادہ ہو یا جس سے روایت کر رہا ہے اس کی صحبت اسے زیادہ میسر رہی ہو یا اس کے علاوہ ترجیح کی صورتوں میں سے کوئی صورت موجود ہو تو راجح روایت کے حق میں فیصلہ ہو گا اور مضطرب نہیں کہا جائے گا اور نہ ہی اس کا حکم مضطرب والا ہو گا (علوم الحدیث ، ص : ۸۴) اور تقریب کی شرح تدریب میں ہے : انیسویں قسم مضطرب ہے جو ایک ہی راوی سے دو یا زیادہ مرتبہ یا دو راویوں سے یا زیادہ راویوں سے ایسی مختلف وجوہ کے ساتھ روایت کی جائے جو ایک دوسرے کے قریب قریب ہوں ، ابن صلاح کی عبارت یہ ہے کہ وہ وجوہ ایک دوسری کے برابر ہوں اور ابن جماعہ کی عبارت یہ ہے کہ وہ ایک دوسری کے برابر کی مدمقابل ہوں۔ اور ان وجوہ کے درمیان ترجیح دینے والی کوئی چیز موجود نہ ہو۔ اگر ان دو روایات یا زیادہ روایات میں سے کسی ایک کو ترجیح حاصل ہو جائے مثلاً اس کے راوی کے حافظہ کی وجہ سے یا مروی عنہ کے ساتھ اس کی صحبت کی وجہ سے یا ترجیح کے اسباب میں سے کسی سبب کی وجہ سے تو فیصلہ راجح روایت کے حق میں ہو گا اور وہ حدیث مضطرب نہیں ہو گی۔ نہ راجح روایت مضطرب ہو گی جیسا کہ ظاہر ہے اور نہ ہی مرجوح روایت کیونکہ وہ اس صورت میں شاذ یا منکر ہو گی جیسا کہ گزر چکا۔ انتہی (ص : ۱۶۹) اور شرح نخبہ میں ہے : ''اور اگر مخالفت راوی کے بدل دینے کے ساتھ ہو اور دونوں روایتوں میں سے ایک کو دوسری پر ترجیح دینے والی کوئی چیز بھی موجود نہ ہو تو اس کا نام مضطرب ہے اور یہ اکثر سند میں ہوتی ہے اور کبھی کبھی متن میں بھی واقع ہوتی ہے لیکن ایسا کم ہی ہوتا ہے کہ محدث حدیث پر اضطراب کا حکم سند کے بغیر صرف متن کے اختلاف کی وجہ سے لگائے۔ انتہیٰ اور اس کے حاشیہ میں ہے : قولہ : ''ولا مرجح'' تو اگر ایک روایت راجح ہو جائے اس وجہ سے کہ اس کا راوی زیادہ حافظ ہو یا مروی عنہ کے ساتھ زیادہ رہا ہو بالخصوص جب وہ اس کا لڑکا یا رشتہ دار یا غلام یا اس کے شہر میں رہنے والا ہو۔ ''

یا اس کے علاوہ ترجیح کی صورتوں میں سے کوئی قابل اعتماد صورت ہو مثلاً اس کا راوی حدیث حاصل کرنے کے وقت بالغ ہو یا اس نے خود شیخ کے لفظ سنے ہو تو اس قسم کی ترجیح حاصل ہو جانے کی صورت میں راجح روایت کے حق میں فیصلہ ہو گا اور اس وقت حدیث مضطرب نہیں ہو گی۔ اسی طرح اگر تطبیق ممکن ہو اس طرح کہ متکلم نے ایک ہی معنی کو دو یا زیادہ لفظوں کے ساتھ تعبیر کر دیا ہو یا دونوں میں سے ہر ایک لفظ کو کسی ایک حالت پر محمول کر دیا جائے جو دوسری حالت کے منافی نہ ہو۔ شرح نخبہ ہی میں ہے : ''پس اگر ایک روایت کی مخالفت ایسی روایت کے ساتھ کی جائے جو ضبط کی زیادتی یا تعداد کی کثرت کی وجہ سے یا ترجیح کی وجوہ میں سے کسی وجہ سے راجح ہے تو

راجح کو محفوظ کہا جائے گا اور اس کی مقابل کو جو مرجوح ہے ۔ شاذ کہا جائے گا ۔ اصطلاح کے اعتبار سے شاذ کی یہی تعریف قابل اعتماد ہے اور اگر مخالفت ضعف کے ساتھ واقع ہو تو راجح کو معروف اور اس کی مقابل کو منکر کہا جائے گا انتہی ۔ بقدر ضرورت (ص : ۴۳، ۴۲) اور شرح نخبہ ہی میں ہے : اگر مخالفت ہم مثل روایت کے ساتھ ہو تو یا تو دونوں کے مفہوم میں بلا تکلف تطبیق ممکن ہوگی یا نہیں ، ممکن ہو تو اس قسم کا نام ''مختلف الحدیث'' ہے ۔ (انتہی (ص : ۴۷

وحاصل ھذہ العبارات أن الحدیث اذا روی علی أوجہ مختلفۃ فان أمکن الجمع من غیر تعسف فھو مختلف الحدیث او ترجح أحدھا بطریق من طرق الترجیح المعتبرۃ فالراجح محفوظ او معروف والمرجوح شاذ او منکر وان لم یمکن الجمع ولا الترجیح))
((فالحدیث مضطرب فالاختلاف الذی یمکن رفعہ بالجمع او الترجیح لیس باضطراب فی عرف اصول الحدیث

ترجمہ : . . . ان عبارات سے حاصل یہ ہوا کہ ایک حدیث جب مختلف وجوہ پر روایت کی جائے تو اگر تکلف کے بغیر تطبیق ممکن ہو تو وہ مختلف الحدیث ہے یا ترجیح کی معتبر وجوہ میں سے کسی وجہ کے ساتھ ایک روایت کو ترجیح'' حاصل ہو جائے تو راجح کا نام محفوظ یا معروف اور مرجوح کا نام شاذ ہے یا منکر ۔ اور اگر نہ ہی تطبیق ممکن ہو اور نہ ترجیح تو وہ حدیث مضطرب ہے تو وہ اختلاف جسے تطبیق یا ترجیح کے ساتھ ختم کیا جا سکتا ہے اصول حدیث کی رو سے مضطرب نہیں ہے ۔

پس کتب اصول حدیث کی مندرجہ بالا عبارات شہادت دے رہی ہیں کہ اگر مختلف بیانات میں ترجیح یا تطبیق کی کوئی معقول و مقبول صورت نکل آئے تو روایت کو اصطلاحاً مضطرب نہیں کہا جائے گا اور اس مقام پر ترجیح اور تطبیق کی صورت موجود ہے لہٰذا مصنف صاحب کا فرمان : ''پس اصول حدیث کی رو سے یہ روایت مضطرب ہے'' درست نہیں ہاں جامع ترمذی کے بعض مقامات سے یہ پتہ چلتا ہے کہ ترجیح اور تطبیق کی موجودگی میں بھی روایت کو مضطرب کہا جا سکتا ہے تو پھر حضرت المؤلف کا بیان ''یہ روایت مضطرب ہے . . . الخ'' درست ہوگا ۔

ورابعاً :

اگر امام مالک رحمہ اللہ وغیرہ کی گیارہ رکعات والی روایت کو مضطرب قرار دیا جائے تو پھر داود بن قیس کی اکیس رکعات والی روایت کو بھی مضطرب قرار دینا پڑے گا کیونکہ محمد بن یوسف کے باہم مختلف بیانات والے پانچ . . . شاگردوں میں داوٗد بن قیس بھی شامل ہیں ۔ چنانچہ حضرت المؤلف کے پیش کردہ نقشہ سے صاف صاف ظاہر ہے تو جیسے صاحب رسالہ کے خیال میں بوجہ اضطراب امام مالک وغیرہ کی گیارہ رکعات والی روایت کو کسی مدعا کے ثبوت میں پیش کرنا درست نہیں ویسے ہی بوجہ اضطراب داوٗد بن قیس کی اکیس رکعات والی روایت کو بھی کسی مدعا کے ثبوت میں پیش کرنا درست نہیں حالانکہ حضرت المؤلف نے اپنے مدعا کے ثبوت میں پیش فرمودہ دلائل میں سے سب سے پہلے داوٗد بن قیس والی روایت کو پیش فرمایا ہے اگر کہا جائے کہ صاحب رسالہ نے تو داوٗد بن قیس کی روایت کو بعد از ترجیح یا تطبیق دلیل بنایا ہے تو پھر امام مالک وغیرہ کی گیارہ رکعات والی روایت سے استدلال کرنے والے بھی کہہ سکتے ہیں کہ ہم نے بھی آخر گیارہ رکعات والی روایت کو ترجیح یا تطبیق کے بعد ہی دلیل بنایا ہے رہی یہ بات کہ کونسی ترجیح یا تطبیق درست ہے تو اس پر کلام ہوگا ۔ ان شاء اللہ تعالیٰ

وخامساً :

جس طریقہ سے حضرت المؤلف نے گیارہ رکعت والی روایت کو مضطرب بنایا اگر اس طریقہ کو اختیار کیا جائے تو کہا جا سکتا ہے کہ حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ کی بیس رکعات والی روایت بھی مضطرب ہے کیونکہ . . .
: حضرت سائب بن یزید کے تین شاگردوں محمد بن یوسف ، یزید بن خصیفہ اور حارث بن عبدالرحمن کے بیانات باہم مختلف ہیں جیسا کہ درج ذیل نقشہ سے صاف ظاہر ہے

حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ

(۔ (محمد بن یوسف ۱

(۔ (یزید بن خصیفہ ۲

(۔ (حارث بن عبدالرحمن ۳

ان کے پانچوں شاگردوں کے مذکورہ بیانات کو ذہن میں رکھیں جن کو حضرت المؤلف باہم مختلف قرار دے چکے ہیں نیز ایک نقشہ دے کر انہوں نے ان کے اختلاف کی صورت کو واضح کیا ہے ۔

(۔ ہم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں بیس رکعات اور وتر پڑھتے تھے (مالک اور محمد بن جعفر ۱

(۔ لوگ حضرت عمر کے زمانہ میں بیس رکعات پڑھتے تھے ۔ (ابن ابی ذئب ۲

پہلے بیان میں اپنے عمل کا ذکر ہے لوگوں کے عمل کا ذکر نہیں ، دوسرے بیان میں اس کا عکس نیز پہلے بیان میں وتر کا ذکر ہے دوسرے میں وتر کا ذکر نہیں ، پھر ان دونوں بیانوں میں حکم کا ذکر نہیں اور نہ ہی ابی بن کعب و)
(تمیم کا نیز گیارہ ، تیرہ اور اکیس کی بجائے بیس کا ذکر ہے

(حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں قیام تئیس رکعات تھا ۔ (اس میں بھی نہ حکم کا ذکر ہے نہ ہی ابی بن کعب و تمیم کا پھر گیارہ ، تیرہ ، بیس اور اکیس کی بجائے تئیس کا ذکر ہے

پس اصول حدیث کی رو سے یہ روایت مضطرب ہے اور اس حالت میں جب تک کہ کسی ایک بیان کو اصول کے مطابق ترجیح نہ دی جائے یا تمام بیانات میں تطبیق نہ دی جائے اس وقت تک اس روایت کو کسی مدعا کے ثبوت میں پیش کرنا درست نہیں جب کہ عالم یہ ہے کہ حضرت المؤلف بطرق ثلاثہ اس روایت کو اپنے مدعا کے ثبوت میں پیش فرما چکے ہیں رہی ترجیح و تطبیق والی بات تو اس پر کلام آ رہا ہے ۔ ان شاء اللہ تعالیٰ

اب اگر ترجیح کی راہ اختیار کی جائے تو محمد بن یوسف کی گیارہ رکعات والی روایت کو ترجیح ہوگی جیسا کہ تینوں بزرگوں کی روایات کی اسناد پر کلام سے ظاہر ہے مگر اس میں یہ نقص ہے کہ ترجیح کی راہ تب اختیار کی جاتی ہے جب رواۃ

کے بیانات میں مخالفت ومنافات ہواور وہ اس مقام پر ہے ہی نہیں جیسا کہ تدبر وتامل کرنے سے ظاہر ہے۔ ہاں صاحب رسالہ کے اندازِ فکر کو پیش نظر رکھا جائے تو پھر حضرت سائب بن یزید کے تینوں شاگردوں کے بیانات باہم مختلف ہیں۔

نیز یزید بن خصیفہ اور حارث بن عبدالرحمن کے بیانات میں نہ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حکم کا ذکر ہے اور نہ ہی ان کے عمل کا بلکہ ان میں تو یہ بھی نہیں بتایا گیا کہ لوگوں کے بیس رکعات پڑھنے کا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو علم تھا یا نہیں توان بزرگوں کے بیانات میں سے بیس رکعات کے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی سنت ہونے پر استدلال کرنا درست نہیں۔

ترجیح و تطبیق کی تحقیق

حضرت المؤلف تحریر فرماتے ہیں:

حافظ ابن عبدالبر مالکی المتوفی ۴۶۳ھ نے دونوں صورتیں اختیار کی ہیں، گیارہ اور اکیس میں اکیس کو ترجیح (قوت) دی اور گیارہ کو مرجوح (کمزور) قرار دیا اور اس کے ساتھ تطبیق کی یہ صورت بھی لکھی ہے کہ پہلے گیارہ کا حکم دیا ہو، '' پھر قیام میں تخفیف کے لیے گیارہ کی بجائے اکیس رکعتیں کر دی گئی ہوں اور زرقانی مالکی نے اسی تطبیق کو پسند کیا اور کہا کہ امام بیہقی نے بھی مختلف روایتوں کو اسی طرح جمع کیا ہے (زرقانی شرح مؤطا جلد: ۱، ص: ۲۱۵) اور (دیگر ائمہ حدیث نے بھی اسی تطبیق کو پسند کیا، خصوصاً حافظ ابن حجر عسقلانی نے فتح الباری میں اور علامہ شوکانی نے نیل الاوطار میں تطبیق کی صورت اختیار کی۔'' اھ (ص: ۲۴

اَولاً: ... قال الزرقانی فی شرح المؤطا (ان یقوما للناس باحدی عشرۃ رکعۃ) قال الباجی: لعل عمر اخذ ذالک من صلاۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم ففی حدیث عائشۃ انھا سئلت عن صلاتہ فی رمضان فقالت: ما کان یزید فی رمضان ولا فی)) غیرہ علی احدی عشرۃ رکعۃ۔ وقال ابن عبدالبر: روی غیر مالک فی ھٰذا الحدیث احدی وعشرون وھو الصحیح ولا اعلم احدا قال فیہ احدی عشرۃ الا مالکا ویحتمل ان یکون ذالک اولا ثم خفف عنھم طول القیام ونقلھم الی احدی وعشرین الا ان الاغلب عندی ان قولہ: احدی عشرۃ وھم۔ انتہی ولا وھم مع ان الجمع بالاحتمال الذی ذکرہ قریب وبہ جمع البیھقی ایضا وقولہ: ان مالکا انفرد بہ لیس کما قال فقد رواہ سعید بن منصور من وجہ آخر عن محمد بن یوسف فقال احدی (عشرۃ کما قال مالک۔ اھ (ج: ۱، ص: ۲۳۹

وقال صاحب آثار السنن: ما قالہ ابن عبدالبر من وھم مالک فغلط جدا لان مالکا قد تابعہ عبدالعزیز بن محمد الی آخر ما نقلنا قبل من التعلیق الحسن، وقال علی القاری فی المرقاۃ: (باحدی عشرۃ رکعۃ) ای فی اول الامر کما قال ابن عبدالبر ھٰذہٖ الروایۃ وھم والذی صح انھم کانو یقومون علی عھد عمر بعشرین رکعۃ واعترض بان سند تلک صحیح ایضا ویجاب بانہ لعلھم فی بعض اللیالی قصدوا التشبیہ بہ صلی اللہ علیہ وسلم فانہ صح عنہ انہ صلی بھم ثمانی رکعات والوتر وان کان الذی استقر علیہ امرھم العشرین وروایۃ ثلاث وعشرین حسب راویھا الثلاثۃ الوتر فانہ جاء انھم کانو یوترون بثلاث وھذا یدل علی ان الوتر ثلاث علی ما تقرر علیہ آخر الامر وانہ غیر داخل فی صلاۃ اللیل۔ اھ (ج: ۳، ص: ۱۹۲) وقال صاحب تحفۃ الاحوذی بعد نقل رد الزرقانی والنیموی لقول ابن عبدالبر: ان الاغلب عندی ان قولہ احدی عشرۃ وھم۔ ما نصہ: فلما ثبت ان الامام مالکا لم ینفرد بقولہ: احدی عشرۃ۔ بل تابعہ علیہ عبدالعزیز بن محمد وھو ثقۃ ویحیی بن سعید القطان امام الجرح والتعدیل قال الحافظ فی التقریب: ثقۃ متقن حافظ امام ظھر لک حق الظھور ان قول ابن عبدالبر: ان الاغلب عندی ان قولہ احدی عشرۃ وھم لیس بصحیح، بل لو تدبرت ظھر لک ان الامر علی خلاف ما قال ابن عبدالبر اعنی ان الاغلب ان قول غیر مالک فی ھذا الاثر احدی وعشرون کما فی روایۃ عبدالرزاق وھم فانہ قد انفرد ھو باخراج ھذا الاثر بھذا اللفظ ولم یخرجہ بہ احد غیرہ فیما اعلم وعبدالرزاق وان کان ثقۃ حافظ لکنہ قد عمی فی اٰخر عمرہ فتغیر کما صرح بہ الحافظ فی التقریب واما الامام مالک فقال الحافظ فی التقریب: امام دار الہجرۃ راس المتقنین وکبیر المتثبتین حتی قال البخاری: اصح الاسانید کلھا مالک عن نافع عن ابن عمر۔ انتھی ومع ھذا لم ینفرد ھو باخراج ھذا الاثر بلفظ احدی عشرۃ بل اخرجہ ایضا سعید بن منصور وابن ابی شیبۃ کما عرفت فالحاصل ان لفظ احدی عشرۃ فی اثر عمر بن الخطاب المذکور صحیح ثابت محفوظ ولفظ احدی وعشرون فی ھذا الاثر غیر محفوظ والاغلب انہ وھم۔ اھ (ج: ۲، ص: ۷۴) وقال الحافظ فی تھذیب التھذیب: وقال ابن المدینی سمعت ابن مھدی یقول: کان وھیب لا یعدل بمالک احدا۔ وقال ایضا: وکان ابن مھدی لا یقدم علی مالک احدا۔ وقال ایضا وقال النسائی: ما عندی بعد التابعین انبل من مالک ولا اجل منہ ولا (اوثق ولا آمن علی الحدیث منہ ... الخ (جلد: ۱۰، ص: ۸،۹،۷

ترجمہ: ... **اولاً** ... زرقانی نے مؤطا کی شرح میں فرمایا: ''ان یقوما للناس باحدی عشرۃ رکعۃ'' باجی رحمہ اللہ نے فرمایا: کہ شاید حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ تعداد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز سے لی ہو۔ کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں ہے کہ ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رمضان میں نماز پوچھی گئی تو انہوں نے فرمایا: آپ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعت سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے۔'' اور ابن عبدالبر نے فرمایا کہ مالک کے علاوہ دوسرے راویوں نے اس حدیث میں اکیس رکعتیں روایت کیں اور یہی صحیح ہے اور مجھے مالک کے علاوہ کوئی شخص معلوم نہیں جس نے گیارہ رکعات روایت کی ہوں اور یہ بھی احتمال ہے کہ پہلے گیارہ ہی ہوں، پھر لوگوں سے لمبے قیام میں تخفیف کر دی گئی اور انہیں اکیس رکعتوں کی طرف منتقل کر دیا ہو۔ مگر میرے نزدیک زیادہ غالب یہی ہے کہ گیارہ رکعت وہم ہے انتہی۔ اور جب اس احتمال کے ساتھ تطبیق بالکل آسان ہے جو ابن عبدالبر نے بیان کیا تو یہ لفظ وہم نہیں ہے اور بیہقی نے بھی یہی تطبیق دی ہے اور اس نے جو یہ کہا کہ مالک اس میں اکیلے ہیں تو یہ بات اس طرح نہیں جس طرح انہوں نے فرمائی کیونکہ سعید بن منصور نے ایک دوسری سند کے ساتھ محمد بن یوسف سے روایت کی ہے اور فرمایا: ''گیارہ رکعتیں'' جس طرح مالک نے فرمایا۔ اھ (ج: ۱، ص: ۲۳۹) اور صاحب آثار السنن نے فرمایا کہ ابن عبدالبر نے جو مالک کا وہم قرار دیا ہے بالکل غلط ہے کیونکہ مالک کی متابعت عبدالعزیز بن محمد نے کی ہے۔ آخر عبارت تک جو اس سے پہلے ہم نے التعلیق الحسن سے نقل کی ہے اور علی قاری نے مرقاۃ میں فرمایا: (باحدی عشرۃ رکعۃ) یعنی شروع شروع میں (گیارہ رکعتیں تھیں) جیسا کہ ابن عبدالبر نے کہا کہ یہ روایت وہم ہے اور ثابت یہی ہے کہ لوگ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں بیس رکعتیں قیام کرتے تھے اور یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ سند تو اس (گیارہ) کی بھی صحیح ہے جواب یہ دیا جائے گا کہ شاید انہوں نے بعض راتوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تشبیہ کا ارادہ کیا ہو کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو آٹھ رکعت اور وتر پڑھائے۔ اگرچہ ان کا معاملہ بیس پر آٹھہرا۔ اور تئیس رکعت والی روایت میں راوی نے تین وتر بھی شمار کرلیے کیونکہ آیا ہے کہ لوگ تین وتر پڑھتے تھے یہ اس بات کی دلیل ہے کہ آخر میں معاملہ اسی بات پر آٹھہرا کہ وتر تین ہیں اور وہ صلاۃ اللیل میں داخل نہیں۔ انتہی۔ ج: ۳، ص: ۱۹۲ اور صاحب تحفۃ الاحوذی نے ابن عبدالبر کے قول (میرے نزدیک زیادہ غالب یہ ہے کہ مالک کا قول گیارہ رکعت وہم ہے) پر زرقانی اور نیموی کا رد نقل کرنے کے بعد فرمایا: صاحب تحفہ کی بلفظہ عبارت کا ترجمہ۔ تو جب ثابت ہو گیا کہ مالک اپنے قول گیارہ رکعت میں اکیلے نہیں بلکہ اس لفظ پر ان کی متابعت عبدالعزیز نے کی ہے اور وہ ثقہ ہیں اور جرح و تعدیل کے امام یحییٰ بن سعید قطان نے بھی متابعت کی ہے جن کے متعلق حافظ نے تقریب میں فرمایا: ثقہ متقن حافظ، امام ''تو تمہارے لیے روزِ روشن کی طرح واضح ہو گیا کہ ابن عبدالبر کا قول ''کہ میرے نزدیک زیادہ غالب یہ ہے کہ مالک کا قول گیارہ رکعت وہم ہے۔'' صحیح نہیں بلکہ اگر تم تدبر کرو گے تو تمہیں ظاہر ہو جائے گا کہ اصل معاملہ اس بات کے برعکس ہے جو ابن عبدالبر نے کہی ہے۔ میرا مطلب یہ ہے کہ اس اثر میں مالک کے غیر کا قول اکیس رکعت جیسا کہ عبدالرزاق کی روایت میں ہے وہم ہے کیونکہ اس اثر کو ان لفظوں کے ساتھ روایت کرنے میں صرف عبدالرزاق اکیلا ہے اور جہاں تک مجھے معلوم ہے اس کے علاوہ کسی نے اسے ان لفظوں میں روایت نہیں کیا۔ اور عبدالرزاق اگرچہ ثقہ اور حافظ ہیں، مگر آخر عمر میں نابینا ہو گئے تو متغیر ہو گئے۔ جیسا کہ حافظ نے تقریب میں اس کی تصریح کی ہے، رہے امام مالک تو حافظ نے تقریب میں فرمایا: دار الہجرت کے امام متقنین کے رئیس اور متثبتین کے سردار ہیں یہاں تک کہ بخاری نے فرمایا کہ تمام سندوں سے زیادہ صحیح سند ''مالک عن نافع عن ابن عمر'' ہے۔ انتہی۔ علاوہ ازیں مالک اس اثر کو گیارہ کے لفظ کے ساتھ روایت کرنے میں اکیلے نہیں بلکہ سعید بن منصور اور ابن ابی شیبہ نے اس اثر کو ان لفظوں میں روایت کیا

ہے : ''جیسا کہ تمہیں معلوم ہوچکا ہے تو حاصل یہ ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے اثر مذکور میں گیارہ کا لفظ صحیح ثابت محفوظ ہے اور اکیس کا لفظ غیر محفوظ ہے اور زیادہ غالب یہ ہے وہ وہم ہے ۔ اھ (ج : ۲، ص : ۴) اور حافظ نے تہذیب التہذیب میں فرمایا : ''اور ابن مدینی نے کہا میں نے ابن مہدی سے سنا ہے کہ وھیب مالکؒ کے برابر کسی کو قرار نہیں دیتے تھے اور یہ بھی کہا کہ ابن مہدی مالک پر کسی کو مقدم نہیں کرتے تھے ۔ اور یہ بھی فرمایا : ''اور نسائی نے کہا میرے نزدیک تابعین کے بعد مالک سے زیادہ کوئی شخص نہ باشرف ہے نہ زیادہ جلیل القدر نہ زیادہ ثقہ اور نہ ان سے کوئی شخص حدیث میں زیادہ امین ہے ...... الخ (جلد : ۱۰، ص : ۸،۹،۷

حضرت المؤلف نے حافظ ابن عبدالبر کے اکیس رکعات والی روایت کو راجح اور امام مالک وغیرہ کی گیارہ رکعات والی روایت کو مرجوح قرار دینے کو تو شرح زرقانی سے نقل فرمایا مگر شارح زرقانی کی تنقید و تردید بر قول ابن عبدالبر در ترجیح کو رسالہ میں ذکر کرنا تو درکنار انہوں نے اس کی طرف ادنیٰ اشارہ کرنے کو گوارا تک نہیں فرمایا حالانکہ جس مقام سے وہ حافظ ابن عبدالبر کی ترجیح کو نقل فرما رہے ہیں اسی مقام پر علامہ زرقانی کی تنقید و تردید بھی موجود ہے جیسا کہ شرح زرقانی کی مندرجہ بالا عبارت سے صاف ظاہر ہے ۔

محمد بن یوسف کا شاگرد داؤد بن قیس اکیس رکعات کہنے میں متفرد ہے اور اپنے سے اوثق رواۃ کی مخالفت بھی کر رہا ہے تو اُصول حدیث کی رو سے اس کی روایت مرجوح ہوگی اور ''اصول حدیث کو پیش نظر رکھنا ہر ذی علم پر لازم ہے ۔ ''اگر کہا جائے کہ حافظ عبدالرزاق کی کتاب مصنف سے پتہ چلتا ہے کہ داؤد بن قیس کا متابع بھی موجود ہے کیونکہ وہاں لفظ ہیں : ((داؤد بن قیس وغیرہ)) تو جواباً عرض ہے کہ یہ غیرہ مبہم اور مجہول ہے ۔ لایدری من ھو

اس لیے اس متابعت کا کوئی اعتبار نہیں ۔ دیکھئے حضرت المؤلف نے بھی اس غیرہ کو درخور اعتناء نہیں سمجھا ورنہ وہ فرماتے : ''محمد بن یوسف کے کم از کم چھ شاگرد ہیں ۔ ''الخ تو ان کے بیان ''اور محمد بن یوسف کے پانچ شاگرد ہیں اور ان پانچوں کے ... الخ ۔'' سے واضح ہے کہ اس غیرہ کا ان کو بھی کوئی اتہ پتہ نہیں ، پھر داؤد بن قیس کے بیان کہ محمد بن یوسف کے چار شاگردوں کے بیانات کے مخالف ہونے کا حضرت المؤلف کو بھی اعتراف اور اقرار ہے جیسا کہ ان کے دیئے ہوئے نقشہ سے صاف صاف ظاہر ہے ۔

وثانیا :

پہلے تو محمد بن یوسف کے پانچ شاگردوں کے بیانات میں ترجیح پر بات ہو رہی تھی جو اس نتیجہ پر پہنچی کہ امام مالک ، یحییٰ بن سعید اور عبدالعزیز بن محمد کا بیان ' گیارہ رکعات '' راجح اور داؤد بن قیس کا بیان ''اکیس رکعات '' ... مرجوح ہے رہی حضرت سائب بن یزید کے تین شاگردوں محمد بن یوسف ، یزید بن خصیفہ اور حارثہ بن عبدالرحمن کے بیانات میں ترجیح تو اس مقام پر محمد بن یوسف کا بیان راجح ہے کیونکہ وہ یزید بن خصیفہ اور حارث بن عبدالرحمن سے اوثق ہے اس لیے کہ حضرت المؤلف نے بذات خود محمد بن یوسف کی توثیق میں ''ثقۃ ثبت '' دو لفظ نقل فرمائے ہیں اور یزید بن خصیفہ کی توثیق میں ''ثقۃ '' صرف ایک ہی لفظ نقل فرمایا ہے اور شرح نخبہ میں ہے :

ومن المھم اَیضا معرفۃ مراتب التعدیل وارفعھا الوصف ایضا بما دل علی المبالغۃ فیہ واصرح ذالک التعبیر باَفعل کاوثق الناس او اثبت الناس والیہ المنتھی فی التثبت ثم ماتاکد بصفۃ من الصفات الدالۃ علی التعدیل او صفتین کثقۃ ثقۃ او))
((ثبت ثبت او ثقۃ حافظ او عدل ضابط او نحو ذالک ... الخ

اور اہم باتوں میں سے تعدیل کے مراتب کی پہچان بھی ہے ، ان میں سب سے پہلے بلند مرتبہ یہ ہے کہ ایسے لفظ سے تعریف کی جائے جو اس وصف میں مبالغہ پر دلالت کرے اور اس میں سب سے زیادہ صریح وہ ہے جو'' افعل (تفضیل) کے لفظوں کے ساتھ بیان کی جائے مثلاً اَوثق الناس ، اثبت الناس ، اِلیہ المنتھی فی التثبت ، پھر جس کی تاکید کسی صفت سے کی جائے جو تعدیل پر دلالت کرنے والی ہو یا دو صفتوں کے ساتھ مؤکد ہو مثلاً ثقہ ثقۃ یا ''ثبت ثبت یا ثقۃ حافظ یا عدل ضابط یا اس جیسے الفاظ ... الخ

اور تدریب شرح تقریب میں لکھا ہے :

فالفاظ التعدیل مراتب) ذکرھا المصنف کابن الصلاح تبعا لابن ابی حاتم اربعۃ وجعلھا الذھبی والعراقی خمسۃ وشیخ الاسلام ستۃ (اعلاھا) بحسب ما ذکرہ المصنف (ثقۃ او متقن او ثبت او حجۃ او عدل حافظ او) عدل (ضابط) واما المرتبۃ التی)) زادھا الذھبی والعراقی فانھا اعلیٰ من ھذہ وھو ما کرر فیہ احد الالفاظ المذکورۃ اما بعینہ کثقۃ ثقۃ اولا کثقۃ ثبت او ثقۃ حجۃ او ثقۃ حافظ والرتبۃ التی زادھا شیخ الاسلام اعلی من مرتبۃ التکریر وھی الوصف بافعل کاوثق الناس واثبت الناس او نحوہ کالیہ ((المنتھی فی التثبت قلت ، ومنہ لا احد اثبت منہ ومن مثل فلان ؟ وفلان لایسأل عنہ ولم ار من ذکر ھذہ الثلاثۃ وھی الفاظھم فالمرتبۃ التی ذکرھا المصنف اعلی ھی ثالثۃ فی الحقیقۃ '' اھ (ص : ۲۳۰

پس تعدیل کے الفاظ کے چند مرتبے ہیں) مصنف نے ابن صلاح کی طرح ابن ابی حاتم کی پیروی میں چار مرتبے ذکر کیے ہیں اور ذہبی اور عراقی نے یہ مراتب پانچ بنائے ہیں اور شیخ الاسلام نے چھ بنائے ہیں (ان میں سب سے '' بلند) مصنف کے ذکر کے اعتبار سے (ثقہ یا متقن یا ثبت یا حجۃ یا عدل حافظ یا) عدل (ضابط) ہے ۔ اور ذہبی اور عراقی نے جو مرتبہ زیادہ کیا ہے وہ اس مرتبہ سے بلند ہے اور وہ ہے جس میں مذکورہ الفاظ بعینہ مکرر لائے جائیں یا کوئی دو لفظ مکرر لائے جائیں مثلاً ثقۃ ثقۃ یا ثقۃ ثبت یا ثقۃ حجۃ یا ثقۃ حافظ اور جو مرتبہ شیخ الاسلام نے زیادہ کیا ہے وہ تکریر کے مرتبہ سے بھی بلند ہے اور وہ ہے جس میں افعل (تفضیل) کے ساتھ وصف بیان کیا جائے ۔ مثلاً اَوثق الناس ، اَثبت الناس یا اس جیسے الفاظ مثلاً الیہ المنتھیٰ فی التثبت ۔ میں کہتا ہوں اسی مرتبے سے یہ لفظ بھی ہیں ''اس سے زیادہ پختہ کوئی نہیں ۔ '' اور ''فلاں کی مثل کون ہے '' اور ''فلاں کے متعلق سوال نہیں کیا جاتا '' اور میں نے (کسی کو نہیں دیکھا جس نے یہ تین لفظ ذکر کیے ہوں حالانکہ تعدیل کے الفاظ میں یہ لفظ بھی آتے ہیں تو وہ مرتبہ جو مصنف نے اعلیٰ قرار دیا ہے در حقیقت وہ تیسرا ہے ۔ '' اھ (ص : ۲۳۰

تو محمد بن یوسف اور یزید بن خصیفہ کے بارے میں حضرت المؤلف کے نقل کردہ الفاظ توثیق کے لحاظ سے محمد بن یوسف تعدیل کے دوسرے مرتبہ میں اور یزید بن خصیفہ توثیق کے تیسرے مرتبہ میں ہیں لہٰذا محمد بن یوسف یزید بن خصیفہ سے اوثق ہیں تو ترجیح محمد بن یوسف کی روایت کو ہوگی نہ کہ یزید بن خصیفہ کی روایت کو اور اگر تسلیم کر لیا جائے کہ درجہ ثقاہت میں یہ دونوں بزرگ برابر ہیں تو بھی کثرت صحبت اور رشتہ داری کی بناء پر ترجیح محمد بن یوسف کی روایت کو دی جائے گی ۔ اور کثرت صحبت اور رشتہ داری کا وجوہ ترجیح میں شامل ہونا پہلے با حوالہ بیان ہوچکا ہے ۔

رہے حارث بن عبدالرحمان تو محمد بن یوسف کا ان سے اوثق ہونا ظاہر بات ہے کیونکہ محمد بن یوسف تو ثقہ ثبت ہیں اور حارث بن عبدالرحمن صدوق یھم ۔ رہا حارث بن عبدالرحمن کا رجال مسلم سے ہونا تو وہ اتنے سے تو محمد بن یوسف کے برابر بھی نہیں ہوسکتے چہ جائیکہ وہ محمد بن یوسف سے اوثق بنیں کیونکہ کسی راوی کا دوسرے درجہ کا ثقہ ہونا مسلم کی شرط نہیں ہے جبکہ عالم یہ ہے کہ حارث بن عبدالرحمن تو مسلم کے رجال سے ہیں اور محمد بن یوسف بخاری اور مسلم دونوں کے رجال سے ہیں ، پھر محمد بن یوسف میں ترجیح کی دو اور وجہیں کثرت صحبت اور حضرت سائب سے رشتہ داری بھی موجود ہیں نیز حارث بن عبدالرحمن کی روایت کی سند محمد بن یوسف کی روایت

کی سند کے ہم پلہ نہیں کیونکہ محمد بن یوسف سے بیان کرنے والے تو رأس المتقنین، کبیر المتثبتین اور اوثق الناس بعد التابعین حضرت الامام مالک، امام الجرح والتعدیل ثقہ متقن اور حافظ یحییٰ بن سعید القطان اور ثقہ عبدالعزیز بن محمد ہیں، اُدھر حارث بن عبدالرحمن سے بیان کرنے والے اسلمی صاحب ہیں جن کا حال پہلے لکھا جا چکا ہے تو ان وجوہ ترجیح کی بناء پر محمد بن یوسف کی روایت راجح اور حارث بن عبدالرحمن کی روایت مرجوح ٹھہرے گی۔

باقی یزید بن خصیفہ اور حارث بن عبدالرحمن کے ایک دوسرے کا متابع ہونے سے بھی وہ دونوں محمد بن یوسف کے درجہ ثقاہت کو نہیں پہنچ سکتے جیسا کہ مراتب تعدیل و توثیق، محمد بن یوسف کے مرتبہ ثقاہت، ثقہ، ثبت، یزید بن خصیفہ کے درجہ ثقاہت ثقہ اور حارث بن عبدالرحمن کے مقام عدالت صدوق یھم پر تدبر کرنے سے واضح ہے، چلو ہم تسلیم کرتے ہیں کہ یزید اور حارث دونوں مل کر درجہ ثقاہت میں محمد بن یوسف کے برابر ہیں لیکن ترجیح کی دو اور وجوں کثرت صحبت اور رشتہ داری سے محمد بن یوسف تو بہرہ ور ہیں اور یزید و حارث دونوں ان دو وجوہ سے محروم ہیں یہ بھی تسلیم کہ کثرت صحبت میں بھی یہ دونوں محمد بن یوسف کے برابر ہیں مگر مروی عنہ سے رشتہ داری والی وجہ ترجیح سے تو یہ دونوں بہر حال محروم ہیں نیز یزید و حارث سے نیچے کے سب راوی محمد بن یوسف سے نیچے کے سب راویوں کے ہم پلہ نہیں ہیں کما تقدم تو اصول حدیث کے لحاظ سے محمد بن یوسف کی روایت راجح اور یزید و حارث کی روایت مرجوح ہے اور بقول حضرت المؤلف ''اصول حدیث کو پیش نظر رکھنا ہر ذی علم پر لازم ہے۔'' پھر محمد بن یوسف کی روایت راجح ہونے کی اور وجوہ بھی ہیں جیسا کہ ترجیح کی پچاس سے زائد وجوہ پر غور و فکر کرنے سے ظاہر ہے۔

وثالثاً:

حنفیہ کے نزدیک ترجیح تطبیق سے مقدم ہے لہٰذا ترجیح کی کسی صورت مقبولہ کے ہوتے ہوئے ان کے ہاں تطبیق کی طرف رجوع نہیں کیا جاتا چنانچہ صاحب فیض الباری تحریر فرماتے ہیں...:

واعلم ان الحدیثین اذا لاح بینھما تعارض فحکمہ عندنا ان یحمل اولا علی النسخ فیجعل احدھما ناسخا والاخر منسوخا ثم یتنزل الی الترجیح فان لم یظھر وجہ ترجیح احدھما علی الاخر یصار الی التطبیق فان امکن فبھا والا فالی التساقط ھذا ھو الترتیب عند)) التعارض عندنا کما فی التحریر و عند الشافعیۃ یبدأ اولا بالتطبیق ثم بالنسخ ثم بالترجیح ثم بالتساقط قلت: وما اختارہ الشافعیۃ رأی حسن فی بادیٔ النظر وما یظھر بعد التعمق ھو ان ما ذھبنا الیہ اولی لان الترتیب بین التطبیق والتساقط ظاھر فان التساقط انما ھو عند تعذر التطبیق وما دام امکن الجمع لا معنی للتساقط وکذا تقدیم الترجیح علی التطبیق ایضا واضح فان الاخذ بالراجح مما جبل علیہ الانسان فھو مودع فی فطرتہ الا تری انک اذا سمعت رجلا افتاک فی مسألۃ بجواب ثم تسمع رجلاً افضل منہ یجیب (((بغیر جوابہ تاخذ بما اجاب بہ الافضل بدون تامل ولا ترکن الی قول المفضول اصلا وھذا ھو الاخذ بالراجح من حیث لا ندریہ اھ (المقدمۃ، ص: ۵۲

اور جان لو کہ جب دو حدیثوں کے درمیان تعارض سامنے آئے تو اس کا حکم ہمارے نزدیک یہ ہے کہ پہلے اسے نسخ پر محمول کیا جائے چنانچہ ایک کو ناسخ بنا دیا جائے اور دوسری کو منسوخ پھر نسخ سے اتر کر ترجیح کی طرف رخ کیا'' جائے اگر ایک حدیث کی دوسری پر ترجیح کی وجہ ظاہر نہ ہو تو تطبیق کی راہ اختیار کی جائے اگر ممکن ہو تو بہتر ورنہ دونوں کو ساقط سمجھا جائے، تعارض کی صورت میں ہمارے نزدیک یہی ترتیب ہے جیسا کہ التحریر میں ہے اور شافعیہ کے نزدیک پہلے تطبیق سے ابتدا کی جائے گی پھر نسخ پھر ترجیح اور پھر تساقط۔ میں کہتا ہوں شافعیہ نے جو طریقہ اختیار کیا ہے بادی النظر میں اچھی رائے ہے لیکن گہری نظر سے معلوم ہوتا ہے کہ ہماری رائے اولیٰ ہے کیونکہ تطبیق اور تساقط کے درمیان ترتیب ظاہر ہے کیونکہ تساقط ہوتا ہی اسی وقت ہے جب تطبیق ناممکن ہو جب تک تطبیق ممکن ہو تساقط کا کوئی مطلب نہیں۔ اسی طرح تطبیق پر ترجیح کا مقدم ہونا بھی واضح ہے کیونکہ راجح بات کو اخذ کرنا ایسی چیز ہے جس پر انسان پیدا کیا گیا ہے چنانچہ یہ اس کی فطرت میں رکھ دی گئی ہے۔ آپ دیکھتے نہیں کہ جب آپ کو کوئی آدمی کسی مسئلہ میں کوئی فتویٰ دے پھر آپ کو کسی ایسے آدمی سے جو پہلے سے افضل ہو اس مسئلہ میں پہلے شخص کے فتویٰ کے علاوہ کوئی فتویٰ سُنیں تو آپ بلا تامل اس فتویٰ کو اخذ کریں گے جو افضل نے دیا ہے اور مفضول کے قول کی طرف مائل نہیں ہوں گے اور یہی چیز راجح کو اخذ کرنا ہے جو ہم نہ جانتے ہوئے بھی کرتے ہیں۔ ''((مقدمہ، ص: ۵۲

اقول: ان شئت ان تعرف ما علی کلام صاحب الفیض ھذا وغیرہ فارجع الی انتقادات شیخنا بارک اللہ تعالیٰ فی علمہ وعملہ ورزقہ وعمرہ علی الفیض المسماۃ بارشاد القاری وسوف تطبع ان شاء اللہ تعالیٰ وانما المقصود ھھنا بیان ان الترجیح)) ((مقدم علی التطبیق عند الحنفیۃ

ترجمہ:... میں کہتا ہوں کہ اگر آپ صاحب فیض کے اس کلام اور دوسرے کلام پر جو اعتراض اور خرابیاں لازم آتی ہیں جاننا چاہیں تو ہمارے شیخ (بارک اللہ فی علمہ وعملہ ورزقہ وعمرہ) نے فیض الباری پر جو انتقادات ارشاد'' ''القاری کے نام سے لکھے ہیں ان کا مطالعہ فرمائیں ان شاء اللہ وہ طبع ہو جائیں گے۔ یہاں مقصد صرف یہ بیان کرنا ہے کہ حنفیہ کے ہاں ترجیح تطبیق پر مقدم ہے۔

تو اس اصول کے اعتبار سے عندالحنفیہ اس مقام پر تطبیق کی طرف رجوع کرنے کی کوئی ضرورت نہ تھی کیونکہ اس جگہ ترجیح کی صورت موجود ہے لیکن حضرت المؤلف نے چونکہ تطبیق کا بھی تذکرہ فرمایا ہے اس لیے ان کی پیش فرمودہ تطبیق کا جائزہ لینا بھی فائدہ سے خالی نہیں۔

ورابعاً:

حضرت المؤلف نے جو تطبیق نقل فرمائی وہ یہ ہے کہ پہلے گیارہ کا حکم دیا ہو پھر قیام میں تخفیف کے لیے گیارہ کی بجائے اکیس رکعتیں کر دی گئی ہوں'' مگر بندہ کو گیارہ کا حکم پہلے ہونے اور بعد میں اکیس کر دینے کی کوئی دلیل... نہیں ملی نہ تو حضرت المؤلف کے کلام میں اور نہ ہی حافظ بیہقی، حافظ ابن حجر، علامہ زرقانی، علامہ شوکانی، علامہ عینی، علامہ شوق صاحب نیموی صاحب آثار السنن، علامہ باجی مالکی اور دیگر علماء کرام رحمھم اللہ تعالیٰ کی تحریرات میں بلکہ بندہ نے اپنی ناقص یادداشت کے مطابق گیارہ کا حکم پہلے ہونے اور بعد میں اکیس کر دینے کی آج تک کوئی دلیل نہ کہیں پڑھی اور نہ کسی سے سنی لہٰذا حضرت المؤلف کی خدمت میں التماس ہے کہ وہ برائے مہربانی اس مذکورہ تطبیق کی کوئی دلیل بیان فرمائیں۔

وخامساً:... حضرت المؤلف کی عبارت بتلا رہی ہے کہ مذکورہ تطبیق احتمال پر مبنی ہے کیونکہ وہ فرماتے ہیں ''اس کے ساتھ تطبیق کے لیے گیارہ کی بجائے اکیس رکعتیں کر دی گئی ہوں'' تو ان کے الفاظ ''حکم دیا ہو'' اور ''کر دی گئی ہوں'' پر غور کرنے سے مذکورہ تطبیق کا مبنی بر احتمال ہونا خود بخود واضح ہو جاتا ہے پھر حافظ ابن عبدالبر کے الفاظ ((ویحتمل ان یکون ذالک اولا ثم خفف عنھم طول القیام ونقلھم الی احدی وعشرین... الخ)) ''احتمال ہے کہ یہ پہلے ہو پھر ان سے لمبے قیام میں تخفیف کر دی ہو اور انہیں اکیس رکعات کی طرف منتقل کر دیا ہو'' علامہ زرقانی کے الفاظ ((وھم مع ان الجمع بالاحتمال الذی ذکرہ قریب)) ''اور وہم بالکل نہیں کیونکہ مذکورہ احتمال کے ساتھ تطبیق ممکن ہے۔'' اور علامہ عینی کے شیخ مکرم کے الفاظ ((لعل ھذا کان من فعل عمر اولا ثم نقلھم الی ثلاث وعشرین)) ''شاید حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ فعل پہلے ہو پھر آپ نے انہیں تئیس کی طرف منتقل کر دیا ہو'' بھی

حضرت المؤلف وغیرہ کی نقل کردہ تطبیق کے احتمالی ہونے پر دلالت کر رہے ہیں۔

وسادساً: ... اگر احتمالی تطبیق ہی کو اختیار کرنا ہے تو پھر احتمالی تطبیقات اور بھی ہیں ان سے کسی کو اختیار کیا جا سکتا ہے چنانچہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

((والجمع بین ھذہ الروایات ممکن باختلاف الاحوال ویحتمل ان ذالک الاختلاف بحسب تطویل القراءۃ وتخفیفھا فحیث یطیل القراءۃ تقل الرکعات وبالعکس وبذالک جزم الداؤدی وغیرہ والعدد الاول (ای احدی عشرۃ) موافق لحدیث عائشۃ المذکور بعد ھذا الحدیث فی الباب والثانی (ای ثلاث عشرۃ) قریب منہ والاختلاف فیما زاد عن العشرین راجع الی الاختلاف فی الوتر وکانہ کان تارۃ یوتر بواحدۃ وتارۃ بثلاث)) (اھ فتح الباری ج: ۴، ص: ۲۵۳)

ترجمہ: ... ''اوران روایات میں مختلف احوال کا لحاظ رکھتے ہوئے تطبیق ممکن ہے اور احتمال ہے کہ یہ اختلاف قراءت کو طویل اور کم کرنے کے اعتبار سے ہو تو جب قراءت لمبی ہو تو رکعات کم ہوں اور اس کے برعکس قراءت ہلکی ہو تو رکعات زیادہ ہوں۔ داؤدی وغیرہ نے اسی کو یقین کے ساتھ بیان کیا ہے اور پہلی تعداد (گیارہ) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس حدیث کے موافق ہے جو اس حدیث کے بعد باب میں ذکر ہوئی ہے اور دوسری (تیرہ) اس سے قریب ہے اور بیس سے زائد کا اختلاف، وتر کے مختلف ہونے کی وجہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کبھی ایک وتر پڑھا جاتا تھا کبھی تین۔ انتہی)) (فتح الباری، ج: ۴، ص: ۲۵۳)

اقول: ویؤید ما جزم بہ الداؤدی وغیرہ ما ذکرہ صاحب آثار السنن فی باب التراویح باکثر من ثمان رکعات عن داؤد بن الحصین انہ سمع الاعرج یقول: ((ما ادرکت الناس الا وھم یلعنون الکفرۃ فی رمضان قال وکان القاری یقرأ سورۃ البقرۃ فی ثمان رکعات فاذا قام بھا فی اثنتی عشرۃ رکعۃ رأی الناس انہ قد خفف رواہ مالک واسنادہ صحیح۔ اھ)) (ص: ۲۰۳)

ترجمہ: ... ''میں کہتا ہوں داؤدی وغیرہ نے جو بات یقین سے کہی ہے اس کی تائید اس اثر سے بھی ہوتی ہے جو صاحب آثار السنن نے آٹھ رکعت سے زیادہ تراویح کے باب میں داؤد بن حصین سے بیان کیا ہے کہ انہوں نے اعرج سے سنا وہ فرماتے تھے میں نے لوگوں کو اسی حال پر پایا کہ وہ رمضان میں کافروں پر لعنت کرتے تھے فرمایا کہ قاری سورۂ بقرہ آٹھ رکعتوں میں پڑھتا تھا تو جب وہ اسے بارہ رکعتوں میں پڑھتا تو لوگ سمجھتے کہ اس نے تخفیف کر دی ہے اسے مالک نے روایت کیا ہے اور اس کی سند صحیح ہے۔ (اھ ص: ۲۰۳)

وقال المحدث المبارکفوری: قد جمع البیھقی وغیرہ بین روایتی السائب المختلفتین المذکورین بانھم کانوا یقوموں باحدی عشرۃ رکعۃ ثم کانوا یقومون بعشرین یوترون بثلاث قلت: ((فیہ انہ لقائل ان یقول بانھم کانوا یقومون اولا بعشرین رکعۃ ثم کانوا یقومون باحدی عشرۃ رکعۃ وھذا ھو الظاھر لان ھذا کان موافقا لما ھو الثابت عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وذاک کان مخالفا لہ فتفکر۔ اھ)) (تحفۃ الاحوذی ج: ۲، ص: ۷۶)

ترجمہ: ... اور محدث مبارک پوری نے فرمایا: ''بیہقی وغیرہ نے سائب کی مذکورہ دونوں مختلف روایتوں کے درمیان اس طرح تطبیق دی ہے کہ وہ پہلے گیارہ رکعت قیام کرتے تھے، پھر بیس رکعت قیام کرتے تھے اور تین وتر پڑھتے تھے، میں کہتا ہوں اس میں یہ ہے کہ کہنے والا یہ کہہ سکتا ہے کہ وہ پہلے بیس رکعت قیام کرتے رہے، پھر گیارہ رکعت قیام کرنے لگے اور ظاہر یہی بات ہے کیونکہ یہ اس تعداد کے مطابق ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے اور وہ اس کے مخالف ہے۔ فتفکر اھ'' (تحفۃ الاحوذی، ج: ۲، ص: ۷۶)

اقول: ویؤیدہ ان عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ قد ارشدھم الی الافضل فی وقت القیام بقولہ: ((والتی ینامون عنھا افضل من التی یقومون یرید آخر اللیل وکان الناس یقومون اولہ الافضل فی کیفیۃ القیام بجمعہ ایاھم علی قارئ واحد ویظھر ذالک من قولہ: لو جمعت ھؤلاء علی قارئ واحد لکان امثل۔ فلم یکن رضی اللہ تعالیٰ عنہ لیرشدھم فی کمیۃ القیام الا الی الافضل ایضا ولذالک کان امر ابی بن کعب وتمیما الداری ان یقوما للناس باحدی عشرہ رکعۃ وکان القارئ یقرأ بالمئین وکانوا یعتمدون علی العصی من طول القیام وما کانوا ینصرفون الا فی فروع الفجر وانما کان ھذا العدد فی القیام افضل لثبوتہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم ومن المعلوم ان خیر الھدی ھدی محمد صلی اللہ علیہ وسلم وقد قال صلی اللہ علیہ وسلم للثلاثۃ الذین تقالوا عبادتہ: انتم الذین قلتم کذا وکذا اما واللہ انی لاخشاکم للہ واتقاکم لہ ... الخ۔ وھو یدل علی ان ما وافق سنۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم وطریقتہ ولو کان قلیلا افضل مما خالفھا ولو کان کثیرا فالقیام باحدی عشرۃ وثلاث عشرۃ وان کان قلیلا فی بادی الرأی افضل من القیام بثلاث وعشرین وست وثلاثین وان کان کثیرا فی بادی الرأی لموافقۃ الاول سنۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم ومخالفۃ الثانی ایاھا وقد ثبت ان طول القیام والقراءۃ افضل من اکثرۃ الرکوع والسجود فی صلاۃ التطوع وھو مذھب ابی حنیفۃ وابی یوسف ومحمد وھو قول الشافعی قال الطحاوی فی شرح معانی الاثار: وممن قال بھذا القول الاخر فی اطالۃ القیام وانہ افضل من کثرۃ الرکوع والسجود محمد بن الحسن۔ حدثنی بذالک ابن ابی عمران عن محمد بن سماعۃ عن محمد بن الحسن وھو قول ابی حنیفۃ وابی یوسف ومحمد رحمھم اللہ تعالیٰ)) (ج: ۱، ص: ۳۲۱)

ترجمہ: ... ''میں کہتا ہوں، اس کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے قیام کے وقت میں بھی لوگوں کی راہنمائی افضل وقت کی طرف فرمائی یہ کہہ کر کہ جس وقت میں لوگ سو جاتے ہیں وہ اس سے افضل ہے جس میں قیام کرتے ہیں، یعنی رات کا آخری حصہ اور لوگ رات کے شروع حصہ میں قیام کرتے تھے اور قیام کی کیفیت میں بھی افضل کی طرف رہنمائی کی کہ انہیں ایک قاری پر جمع کر دیا اور یہ بات ان کے اس قول سے ظاہر ہے کہ اگر میں ان لوگوں کو ایک قاری پر جمع کر دوں تو افضل ہو تو قیام کی تعداد میں بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کی رہنمائی افضل کی طرف ہی کر سکتے تھے۔ اسی لیے انہوں نے ابی بن کعب اور تمیم داری کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو گیارہ رکعت قیام کروائیں اور قاری سو سو آیات کی سورتیں پڑھتا اور لوگ طویل قیام کی وجہ سے لاٹھیوں کا سہارا لے کر کھڑے ہوتے، اور فجر کے قریب جا کر ہی فارغ ہوتے تھے اور قیام میں یہ تعداد اس لیے افضل ہے کہ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے اور معلوم ہے کہ سب طریقوں سے بہتر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تینوں آدمیوں کو فرمایا جنھوں نے آپ کی عبادت کو کم سمجھا تھا کہ کیا تم وہ لوگ ہو جنھوں نے ایسی ایسی باتیں کی ہیں یاد رکھو! اللہ کی قسم! یقینا میں تم سب سے زیادہ اللہ کی خشیت رکھنے والا اور تم سب سے زیادہ اللہ کا تقویٰ رکھنے والا ہوں ... الخ۔ یہ حدیث دلالت کرتی ہے کہ جو عمل آپ کی سنت اور طریقے کے مطابق ہو خواہ کم ہی ہو اس عمل سے افضل ہے جو آپ کی سنت اور طریقے کے مخالف ہو خواہ وہ زیادہ ہی ہو تو گیارہ یا تیرہ رکعت قیام اگرچہ بظاہر نظر کم ہے تئیس اور چھتیس رکعت قیام سے افضل ہے اگرچہ ظاہر دیکھنے میں وہ زیادہ ہی ہے کیونکہ پہلی تعداد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے مطابق ہے اور دوسری اس کے مخالف ہے اور یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ نفل نماز میں قیام اور قراءت کا طویل ہونا رکوع و سجود کی کثرت سے افضل ہے۔ یہ ابو حنیفہ، ابو یوسف اور محمد کا مذہب ہے اور شافعی کا قول بھی یہی ہے، طحاوی نے شرح معانی الاثار میں فرمایا: ''جو لوگ اس آخری قول یعنی قیام طویل کرنے اور کثرت رکوع و سجود سے اس کے افضل ہونے کے قائل ہیں ان میں محمد بن حسن بھی شامل ہیں۔ مجھے یہ بات ابن ابی عمران نے محمد بن سماعہ سے بیان کی، انہوں نے محمد بن حسن سے اور یہی قول ابو حنیفہ، ابو یوسف اور محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ کا ہے۔ (ج: ۱، ص: ۳۲۱)

وقال الحافظ فی الفتح: وروی محمد بن نصر من طریق داؤد بن قیس قال: ((ادرکت الناس فی امارۃ ابان بن عثمان وعمر بن عبدالعزیز یعنی بالمدینۃ یقومون بست وثلاثین رکعۃ ویوترون بثلاث وقال مالک ھو الامر القدیم عندنا وعن الزعفرانی عن الشافعی رایت الناس یقومون بالمدینۃ بتسع وثلاثین وبمکۃ بثلاث وعشرین ولیس فی شیئ من ذالک ضیق وعنہ قال: ان اطالوا القیام واقلوا السجود فحسن وان اکثروا السجود واخفوا القراءۃ فحسن والاول احب الی۔ اھ)) (ج: ۴، ص: ۲۵۳)

ترجمہ: ... اور حافظ نے فتح الباری میں فرمایا: ''اور محمد بن نصر نے داؤد بن قیس کے طریق سے روایت کی انہوں نے فرمایا کہ میں نے لوگوں کو ابان بن عثمان اور عمر بن عبدالعزیز کی (مدینہ میں) امارت کے زمانہ میں پایا کہ وہ چھتیس رکعت قیام کرتے تھے اور تین وتر پڑھتے تھے اور مالک نے فرمایا کہ یہ ہمارے ہاں قدیم دستور ہے اور زعفرانی نے شافعی سے بیان کیا کہ میں نے لوگوں کو مدینہ میں دیکھا کہ انتالیس رکعت قیام کرتے تھے اور مکہ میں تئیس

رکعت اوران میں سے کسی میں بھی مضائقہ نہیں اور شافعی سے ہی راویت ہے کہ انہوں نے فرمایا: اگر قیام طویل کر دیں اور سجدہ کی تعداد کم کر دیں تو اچھا ہے اور سجود زیادہ کریں اور قراءت ہلکی کر دیں تو بھی اچھا ہے اور پہلی بات مجھے زیادہ محبوب ہے۔ اھ (ج: ۴، ص: ۲۵۳)

فظھران القیام باحدی عشرۃ اوثلاث عشرۃ اذااطیل القیام والقراءۃ فیھا افضل عند الامامین الھامین ابی حنیفۃ والشافعی ایضا من القیام بثلاث و عشرین و تسع وثلاثین واحدی واربعین اذاخفف القرائۃ والقیام فیھا والعمل فی بلادنا)) الیوم ان الذین یصلون احدی عشرۃ اوثلاث عشرۃ تکون قراء تھم مساویۃ لقراءۃ الذین یصلون ثلاثا وعشرین الانادرا وکذایکون قیام الاولین اطول من قیام الآخرین غالباً فیکون عمل الاولین فی قیام رمضان افضل عند ابی حنیفۃ والشافعی ایضاً من عمل الاخرین فیہ فتدبر ثم التطبیق الذی حکاہ صاحب الرسالۃ عن ابن عبدالبر وغیرہ قد بنی علی تخفیف القیام والقراءۃ فی ثلاث و عشرین او احدی و عشرین کمایظھر ذالک من عبارۃ ابن عبدالبر نفسہ ومن ترجمتھا الاردویۃ التی ذکرھا المصنف ویظھر ذالک من کلام الباجی ایضا حیث قال: فامرھم اولا بتطویل القراءۃ لانہ افضل ثم ضعف الناس فامرھم بثلاث و عشرین فخفف من طول القراءۃ واستدرک بعض الفضیلۃ بزیادۃ الرکعات وقال ایضا: وکان الامر علی ذالک الی یوم الحرۃ فثقل علیھم القیام فنقصوا من القرآۃ وزادوا الرکعات فجعلت ستاوثلاثین غیر الشفع والوتر وذکر ابن حبیب انھا کانت اولا احدی عشرۃ کانوا یطیلون القراءۃ فثقل علیھم فخففوا القراءۃ وزادوا فی عدد الرکعات فکانو یصلون عشرین رکعۃ غیر الشفع والوتر بقراءۃ متوسطۃ ثم خففوا القراءۃ وجعلوا الرکعات ستاوثلاثین غیر الشفع والوتر، ومضی الامر علی ذالک وروی محمد بن نصر عن داؤد بن قیس قال: ادرکت الناس فی امارۃ ابان بن عثمان وعمر بن عبدالعزیز یعنی بالمدینۃ یقومون بست وثلاثین رکعۃ ویوترون بثلاث وقال مالک ھوالامر القدیم عندنا۔ اھ (شرح المؤطا للزرقانی، ج: ۱، ص: ۲۳۹)

ترجمہ: ... اس سے ظاہر ہوا کہ گیارہ یا تیرہ رکعت قیام جب کہ ان میں قیام اور قراءت طویل کیے جائیں دونوں جلیل القدر ائمہ ابو حنیفہ اور شافعی کے نزدیک بھی تئیس، انتالیس اور اکتالیس رکعت قیام سے افضل ہے جب کہ ان'' میں قیام اور قراءت ہلکے ہوں، ہمارے علاقے میں آج کل عملی صورت یہی ہے کہ جو لوگ گیارہ یا تیرہ رکعت پڑھتے ہیں ان کی قراءت تئیس رکعت پڑھنے والوں کی قراءت کے برابر ہی ہوتی ہے الانادراً اسی طرح اول الذکر لوگوں کا قیام آخر الذکر حضرات کے قیام سے عموماً لمبا ہوتا ہے تو پہلے لوگوں کا عمل قیام رمضان میں دوسرے حضرات کے قیام سے ابو حنیفہ اور شافعی کے نزدیک بھی افضل ہوگا۔ فتدبر

پھر وہ تطبیق جو صاحب رسالہ نے ابن عبدالبر وغیرہ سے بیان کی اس کی بناء تئیس یا اکتالیس رکعتوں میں قیام اور قراءت کی تخفیف پر ہے جیسا کہ یہ بات خود ابن عبدالبر کی عبارت اور اس کے اس اُردو ترجمہ سے ظاہر ہے جو مصنف نے کیا ہے اور یہی بات باجی کے اس کلام سے بھی ظاہر ہو رہی ہے جس میں وہ فرماتے ہیں: ''تو آپ نے پہلے انہیں قراءت طویل کرنے کا حکم دیا کیونکہ یہ افضل ہے پھر لوگ کمزور ہوگئے تو انہیں تئیس کا حکم دیا اور طول قراءت میں تخفیف کر دی اور اس سے فضیلت میں جو کمی آئی تھی اس کا کچھ حصہ رکعتیں زیادہ کر کے پورا کر دیا۔'' اور یہ بھی فرمایا کہ ''یوم حرہ تک معاملہ اسی طریقے پر رہا پس لوگوں پر قیام بھاری ہوگیا تو انہوں نے قراءت کم کر دی اور رکعات زیادہ کر دیں، چنانچہ رکعات کی تعداد جفت اور وتر کے علاوہ چھتیس کر دی گئی اور ابن حبیب نے ذکر کیا کہ تراویح پہلے گیارہ تھیں لوگ ان میںقراءت لمبی کرتے تھے تو یہ ان پر بھاری ہوگئی تو انہوں نے قراءت ہلکی کر دی اور رکعتوں کی تعداد میں اضافہ کر دیا، چنانچہ وہ جفت اور وتر کے بغیر درمیانی قرأت کے ساتھ بیس رکعت پڑھتے تھے، پھر انہوں نے قرأت میں تخفیف کر دی اور رکعات جفت اور وتر کے بغیر چھتیس کر دیں اور معاملہ اسی پر چل نکلا'' اور محمد بن نصر نے داؤد بن قیس سے روایت کی کہ انہوں نے فرمایا کہ میں نے لوگوں کو (مدینہ میں) ابان بن عثمان اور عمر بن عبدالعزیز کے زمانہ میں پایا کہ وہ چھتیس رکعت قیام کرتے تھے اور تین وتر پڑھتے تھے اور مالک نے فرمایا ہمارے ہاں یہی امر قدیم ہے۔ اھ (شرح مؤطا للزرقانی ج: ۱، ص: ۲۳۹)

فیکون عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ علی رأی ھؤلاء امرھم اولا بالأفضل ثم نقلھم الی غیر الافضل وشان عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اجل وارفع من ھذا کما یحصل من ارشادہ ایاھم الی القیام فی آخر اللیل وجمعہ ایاھم علی قاریٔ واحد وانما راعی)) الافضل فیھما فلم یکن لیراعی الافضل فی وقت القیام وکیفہ ویدعھا فی کمہ، ثم لادلیل لامر عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایاھم بثلاث و عشرین کما تقدم نعم قد ثبت ان عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ امر ابیا و تمیما رضی اللہ تعالیٰ عنھما ان یقوما للناس باحدی عشرۃ فتامل

ثم قول الباجی: واستدرک بعض الفضیلۃ بزیادۃ الرکعات ظاھر فی ان فی زیادۃ الرکعات استدراکا لبعض فضیلۃ طول القیام والقرآۃ لا کل فضیلتہ۔ فالتطبیقات التی ذکرھا العلماء ھھنا ثلاث الاول ماذکرہ ابن عبدالبر والبیھقی وغیرھما والثانی ماذھب الیہ الداودی وغیرہ والثالث انھم کانوا یصلون احدی عشرۃ تارۃ وتارۃ ثلاث عشرۃ وتارۃ عشرین وقد اشار الیہ الحافظ بقولہ: والجمع بین ھذہ الروایات ممکن باختلاف الاحوال۔ وھھنا تطبیق رابع قد ذکرہ صاحب تحفۃ الاحوذی ولا یذھب علیک ان معنی التطبیق والجمع والتوفیق فی الثانی والثالث اشد وازید من الاول والرابع فتفکر))

ترجمہ: ... تو ان لوگوں کی رائے کے مطابق حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں پہلے افضل کا حکم دیا ہوگا پھر انہیں غیر افضل کی طرف منتقل کر دیا ہوگا حالانکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہکی شان اس بات سے نہایت بلند ہے۔ جیسا'' کہ آپ کے ان کی رات کے آخر حصہ میں قیام کی طرف رہنمائی اور انہیں ایک قاری پر جمع کرنے سے بالکل ظاہر ہو رہا ہے اور آپ نے ان دونوں چیزوں میں افضل کا خیال رکھا تو یہ نہیں ہو سکتا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ قیام کے وقت اور کیفیت میں تو افضل کا خیال رکھیں اور کمیت (تعداد) میں اس کا خیال چھوڑ دیں، پھر اس بات کی بھی کوئی دلیل نہیں کہ آپ نے لوگوں کو تئیس رکعت کا حکم دیا جیسا کہ گزر چکا ہے۔ ہاں یہ ثابت ہو چکا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ابی اور تمیم داری رضی اللہ عنہکو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو گیارہ رکعت قیام کروائیں۔ فتامل

پھر باجی کے اس قول ''فضلیت کی کچھ کمی رکعتیں زیادہ کر کے پوری کی'' سے ظاہر ہے کہ رکعتیں زیادہ کرنے سے قیام اور قراءت کے طویل ہونے کی فضیلت کی کچھ کمی پوری ہو سکتی ہے تو علماء نے اس مقام پر جو تطبیقیں ذکر کی ہیں تین ہیں۔ پہلی وہ جو ابن عبدالبر اور بیہقی وغیرہ نے ذکر کی، دوسری وہ جس کی طرف داؤدی وغیرہ گئے ہیں، تیسری یہ کہ کبھی لوگ گیارہ پڑھتے تھے کبھی تیرہ اور کبھی بیس۔ اس تطبیق کی طرف حافظ نے یہ کہہ کر اشارہ کیا کہ ان روایات کے درمیان احوال کے اختلاف کا لحاظ کرتے ہوئے تطبیق ممکن ہے اور اس مقام پر ایک چوتھی تطبیق بھی ہے جو صاحب تحفۃ الاحوذی نے ذکر کی ہے، پھر آپ سے مخفی نہیں رہنا چاہیے کہ تطبیق اور جمع کا مفہوم دوسری اور تیسری تطبیق میں پہلی اور چوتھی تطبیق کی بہ نسبت زیادہ ہے۔ پس فکر کر''

وسابعاً:

اگر کوئی صاحب فرمائیں مانا کہ ابو حنیفہ کے نزدیک ترجیح تطبیق سے مقدم ہے مگر آپ کے نزدیک تو تطبیق ترجیح سے مقدم ہے تو جواباً عرض ہے کہ یہ درست ہے لیکن محدث مبارک پوری اور علامہ داؤدی وغیرہ کی پیش کردہ... تطبیقات بھی تو آخر تطبیقات ہی ہیں انہیں بھی اختیار کیا جا سکتا ہے، البتہ اتنی بات یاد رہے کہ یہ ترجیح و تطبیق والی ساری گفتگو حضرت المؤلف کے اندازِ فکر کو پیش نظر رکھنے پر مبنی ہے۔ ورنہ بندہ کے نزدیک تو محمد بن یوسف کے بیان ''حضرت عمر رضی اللہ عنہنے ابی بن کعب و تمیم داری رضی اللہ عنہکو گیارہ رکعات پڑھانے کا حکم دیا'' اور یزید و حارث کے بیانات میں تعارض تو سرے سے ہے ہی نہیں کیونکہ یزید اور حارث کے بیانات میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے گیارہ کا حکم دینے کی نفی نہیں کی گئی، ان میں تو صرف لوگوں کے عمل کا ذکر ہے کہ وہ بیس رکعات پڑھتے تھے یا ہم بیس رکعات پڑھتے تھے یا قیام بیس رکعات تھا تو لوگوں کا بیس رکعات پڑھنا خواہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے گیارہ کا حکم دینے سے پہلے ہو خواہ گیارہ کا حکم دینے کے بعد کسی صورت میں بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے گیارہ کا حکم دینے سے متعارض نہیں ہے تو جب حضرت سائب بن یزید کے اصحاب ثلاثہ کے بیانات میں

تعارض ہی نہیں تو اس مقام پر نہ تطبیق کی ضرورت ہے اور نہ ترجیح کی ، اگر کوئی صاحب فرمائیں کہ لوگوں کا گیارہ کے حکم سے پہلے بیس رکعات پڑھنا تو واقعی گیارہ کے حکم سے متعارض نہیں مگر گیارہ کے حکم کے بعد لوگوں کا بیس رکعات پڑھنا گیارہ کے حکم سے کیونکر متعارض نہیں تو جواباً گزارش ہے کہ وہ اس لیے متعارض نہیں کہ لوگوں کے حضرت عمر رضی اللہ عنہکے گیارہ کا حکم دینے کے بعد بیس رکعات پڑھنے سے بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے گیارہ کا حکم دینے کی نفی نہیں ہوتی نہ مطابقت نہ ہی تضمناً اور نہ ہی التزاماً زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ لوگوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہکے حکم گیارہ رکعات سے بڑھ کر از خود بیس رکعات پڑھیں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے پہلے حکم ہی پر اکتفا کرتے ہوئے انہیں بیس پڑھنے سے منع نہ فرمایا ، پھر اس لیے بھی کہ بیس رکعات قیام رمضان بھی آخر نفلی عبادت ہی ہے گو رتبہ میں گیارہ رکعات قیام رمضان کے بوجوہ برابر نہیں مگر یہ بھی تب لازم آتا ہے جب کہ لوگوں کا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حکم گیارہ رکعات کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی زندگی میں بیس رکعات پڑھنا ثابت ہو اور ظاہر ہے کہ اس کی کوئی دلیل نہیں نیز یاد رہے کہ بیس رکعات سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے منع نہ فرمانے کا کسی روایت میں صراحتاً ذکر نہ ہونے سے ان کا بیس رکعات سے منع نہ فرمانا ثابت نہیں ہوتا اور نہ ہی اس سے منع فرمانا ثابت ہوتا ہے ۔ بہر حال لوگوں کا بیس رکعت پڑھنا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے گیارہ کا حکم دینے سے پہلے ہو یا بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے گیارہ کا حکم دینے سے متعارض نہیں لہذا اس مقام پر نہ تطبیق کی ضرورت ہے نہ ہی ترجیح کی ، رہا یہ سوال کہ کئی علماء کرام نے تطبیق یا ترجیح کی راہ اختیار فرمائی ہے تو وہ ان بزرگوں کی تحقیق ہے ، بندہ نے اپنی تحقیق پیش کی ہے ۔ فتدبر

وثامناً :

حضرت المؤلف نے علامہ شوکانی کے تطبیق کو اختیار کرنے کا تذکرہ فرمایا ہے سو وہ تطبیق وہی ہے جس کا حافظ ابن حجر کے کلام میں ذکر ہو چکا ہے البتہ مناسب ہے کہ اس مسئلہ کے بارہ میں علامہ شوکانی کی تحقیق بھی نقل کر دی ...
: جائے چنانچہ لکھتے ہیں

قال الحافظ : والجمع بین ھذہ الروایات ... إلی أن قال : ھذا حاصل ما ذکرہ فی الفتح من الاختلاف فی ذالک واما العدد الثابت عنہ صلی اللہ علیہ وسلم فی صلاتہ فی رمضان فأخرج البخاری وغیرہ عن عائشۃ انھا قالت : ما کان النبی صلی ((اللہ علیہ وسلم یزید فی رمضان ولا فی غیرہ علی احدی عشرۃ رکعۃ ۔ واخرج ابن حبان فی صحیحہ من حدیث جابر انہ صلی اللہ علیہ وسلم صلی بھم ثمان رکعات ثم اوتر ۔ واخرج البیھقی عن ابن عباس کان یصلی فی شھر رمضان فی غیر جماعۃ عشرین رکعۃ والوتر ۔ زاد سلیم الرازی فی کتاب الترغیب لہ ویوتر بثلاث ۔ قال البیھقی : تفرد بہ ابو شیبۃ ابراھیم بن عثمان وھو ضعیف ۔ واما مقدار القراءۃ فی کل رکعۃ فلم یرد بہ دلیل والحاصل ان الذی دلت علیہ احادیث الباب وما (یشابھھا ھو مشروعیۃ القیام فی رمضان والصلاۃ فیہ جماعۃ وفرادی فقصر الصلاۃ المسماۃ بالتراویح علی عدد معین وتخصیصھا بقراءۃ مخصوصۃ لم یرد بہ سنۃ ۔'' اھ (نیل الاوطار ، ج : ۳ ، ص : ۵۳

حافظ نے فرمایا : اور ان روایتوں کے درمیان تطبیق ... یہاں تک کہ شوکانی نے کہا کہ یہ اس اختلاف کا خلاصہ ہے جو فتح الباری میں اس مسئلہ میں ذکر کیا ہے ، رہی وہ تعداد جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے رمضان کی نماز میں'' ثابت ہے تو بخاری وغیرہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعت سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے ۔ اور ابن حبان نے اپنی صحیح میں جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث بیان کی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلمنے انہیں آٹھ رکعتیں پڑھائیں ، پھر وتر پڑھایا اور بیہقی نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ آپ ماہِ رمضان میں جماعت کے بغیر بیس رکعت اور وتر پڑھتے تھے ۔ سلیم رازی نے اپنی کتاب ''الترغیب'' میں یہ لفظ زیادہ کیے ہیں کہ اور تین وتر پڑھتے تھے ۔'' بیہقی نے فرمایا : اس میں ابو شیبہ ابراہیم بن عثمان متفرد ہے اور وہ ضعیف ہے ۔ رہ گئی ہر رکعت میں قراءت کی مقدار تو اس کے بارے میں کوئی دلیل نہیں آئی ۔ حاصل یہ ہے کہ باب کی احادیث اور اس کی ہم مثل دوسری احادیث سے جو بات ثابت ہوتی ہے وہ رمضان کے قیام اور اسے اکیلے اکیلے یا با جماعت ادا کرنے کی مشروعیت ہے تو (اس نماز کو جس کا نام تراویح ہے کسی معین عدد پر بند کر دینا اور کسی مخصوص قراءت کے ساتھ خاص کر دینا کسی حدیث میں نہیں آیا ۔'' اھ (نیل الاوطار ، ج : ۳ ، ص : ۵۳

اقول : لم یرد الشوکانی بقولہ : فقصر الصلاۃ المسماۃ بالتراویح علی عدد معین الخ ان العدد المعین فی صلاۃ رمضان لم یثبت عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم کما یزعمہ بعض الناس الیوم والدلیل علی عدم ارادتہ ذالک ما قال قبل : واما العدد ((الثابت عنہ صلی اللہ علیہ وسلم فی صلاتہ فی رمضان الخ ۔ وانما اراد بقولہ : فقصر الصلاۃ المسماۃ بالتراویح الخ ۔ ما اشار الیہ بقولہ قبل واما فعلھا علی الصفۃ التی یفعلونھا الان من ملازمۃ عدد مخصوص وقراءۃ مخصوصۃ فی کل لیلۃ فسیاتی الکلام علیہ ۔
اھ (نیل الاوطار ج : ۳ ، ص : ۵۲) والکلام الموعود اتیانہ قبل ھو قولہ فقصر الصلاۃ الخ

فائدۃ : قال الشوکانی فی النیل فی شرح قول صاحب المنتقی : ولمالک فی الموطا عن یزید بن رومان قال : کان الناس فی زمن عمر یقومون فی رمضان بثلاث وعشرین رکعۃ ۔ ما نصہ بلفظہ : قولہ : (بثلاث وعشرین رکعۃ) قال ابن اسحاق : (وھذا اثبت ما سمعت فی ذالک ۔ ووھم فی ضوء النھار فقال : ان فی سندہ باشیبۃ ولیس الامر کذالک الخ (ج : ۳ ، ص : ۵۳

اقول : وقد تقدم فی کلام الحافظ والعینی ما یدل علی ان قول ابن اسحاق : وھذا اثبت ما سمعت فی ذالک ۔ فی حق روایۃ محمد ابن یوسف عن السائب بن یزید قال : کنا نصلی فی زمن عمر فی رمضان ثلاث عشرۃ رکعۃ ۔ ولیس قولہ المذکور فی حق روایۃ یزید بن رومان قال : کان الناس فی زمن عمر یقومون فی رمضان بثلاث وعشرین رکعۃ ۔ کما توھمہ الشوکانی ، فوھم صاحب ضوء النھار فی قولہ : ان فی سند روایۃ یزید بن رومان اباشیبۃ ۔ ووھم صاحب اللیل فی جعل قول ابن اسحاق : ((وھذا اثبت ما سمعت فی ذالک ۔ فی حق روایۃ یزید بن رومان ولیس الامر کذالک فتفکر

ترجمہ : ... میں کہتا ہوں ، شوکانی کا مقصد اپنے قول ''تراویح کو کسی معین عدد پر بند کرنا الخ'' سے یہ نہیں کہ رمضان کی نماز میں معین عدد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں جیسا کہ آج کل بعض لوگوں کا خیال ہے اور ان کا'' مقصد یہ نہ ہونے کی دلیل وہ قول ہے جو انہوں نے اس سے پہلے فرمایا کہ ''رہی وہ تعداد جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے رمضان کی نماز میں ثابت ہے الخ'' بلکہ ان کا مقصد نماز کو عدد معین پر بند نہ کرنے سے وہ ہے جس کی طرف اس عبارت سے پہلے اس قول کے ساتھ اشارہ کیا ''لیکن اس نماز کو اس طریقے سے ادا کرنا جس طرح آج کل کرتے ہیں کہ ہر رات خاص تعداد اور خاص قراءت کی پابندی کرتے تھے تو اس پر کلام عنقریب آئے گا ۔ اھ
((نیل الاوطار ، ج : ۳ ، ص : ۵۲

اس عبارت میں جس کلام کے آنے کا وعدہ کیا گیا ہے وہ ہے جس میں کہا ہے کہ تراویح کو کسی عدد معین پر بند کرنا ۔ الخ

شوکانی نے نیل الاوطار میں صاحب المنتقی کے قول : ((ومالک فی الموطا عن یزید بن رومان قال کان الناس فی زمن عمر یقومون فی رمضان بثلاث وعشرین رکعۃ)) کی شرح میں فرمایا ... قولہ ((بثلاث وعشرین رکعۃ)) ... : N
(ابن اسحاق نے کہا یہ سب سے زیادہ پختہ روایت ہے جو میں نے اس مسئلہ میں سنی اور ضوء النہار میں مصنف کو وہم ہوا پس کہا ہے کہ اس کی سند میں ابو شیبہ ہے حالانکہ بات اس طرح نہیں ہے ۔ الخ ۔ (ج : ۳ ، ص : ۵۳

میں کہتا ہوں حافظ اور عینی کے کلام میں اس بات کی دلیلیں گزر چکی ہیں کہ ابن اسحاق کا قول ''کہ یہ سب سے زیادہ پختہ روایت ہے جو میں نے اس مسئلہ میں سنی'' محمد بن یوسف کی سائب بن یزید سے اس روایت کے بارہ میں ہے جس میں وہ کہتے ہیں کہ ہم عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں رمضان میں تیرہ رکعت پڑھتے تھے ۔ اور ان کا یہ قول یزید بن رومان کی روایت کے بارے میں نہیں ہے کہ لوگ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں تئیس رکعت قیام

کرتے تھے جیسا کہ شوکانی کو وہم ہوا ہے تو صاحب ضوء النہار کو اپنے اس قول میں وہم ہوا ہے کہ یزید بن رومان کی روایت میں ابو شیبہ ہے اور صاحب نیل کو یہ وہم ہوا ہے کہ انہوں نے ابن اسحاق کا قول ((ھذا اثبت ما سمعت الخ)) یزید بن رومان کی روایت کے حق میں قرار دے دیا ہے حالانکہ اصل معاملہ یہ نہیں ہے ۔ پس غور کر

حضرت المؤلف تحریر فرماتے ہیں :

''بہر حال یہ روایت (گیارہ والی) ترجیح یا تطبیق کے بغیر قابل استدلال نہیں ہے اور ترجیح یا تطبیق کے بعد جمہور امت کے مدعا پر اس سے کوئی اثر نہیں پڑ سکتا اس لیے کہ ترجیح کے بعد گیارہ کا ثبوت ہی نہیں ہوگا اور تطبیق کے بعد یہ (ثابت ہوگا کہ عہد فاروقی میں چند روز اس پر عمل ہوا اس کے بعد عہد فاروقی ہی میں اس پر عمل موقوف ہوگیا اور جب سے موقوف ہوا اس وقت سے تیرھویں صدی کے اواخر تک پھر کبھی اس پر عمل در آمد نہیں ہوا۔'' (ص : ۲۴

اولاً :

صاحب رسالہ کا بیان ''اور ترجیح یا تطبیق کے بعد ... الخ'' حافظ ابن عبدالبر مالکی کی بیان کردہ ترجیح اور تطبیق پر مبنی ہے جن کا حال پہلے تفصیلاً گزر چکا ہے تو جب مصنف صاحب کے اس فرمان کی بنیاد ہی انتہائی غلط اور احتمالی ... ہے تو پھر ان کا یہ فرمان کیونکر درست اور غیر احتمالی ہو سکتا ہے ۔ فتدبر

وثانیاً :

پہلے آثار بحوالہ بیان ہو چکے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ابی بن کعب و تمیم داری رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو گیارہ رکعات پڑھائیں ۔ ہم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں بماہ رمضان گیارہ رکعات پڑھتے ... تھے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہنے ابی بن کعب اور تمیم رضی اللہ عنہ پر لوگوں کو جمع کیا پس وہ دونوں گیارہ رکعات پڑھاتے تھے ، پھر پہلے یہ بھی بیان ہو چکا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اپنے امر اور لوگوں کے عمل گیارہ رکعات کو بدلنے کی کوئی دلیل نہیں ، لہٰذا حضرت المؤلف کا دعویٰ ''عہدِ فاروقی میں چند روز اس پر عمل ہوا اس کے بعد عہدِ فاروقی ہی میں اس پر عمل موقوف ہوگیا'' بے دلیل ہے ۔

وثالثاً :

حضرت المؤلف کا فرمان : ''اس وقت سے تیرھویں صدی کے اواخر تک پھر کبھی اس پر عمل در آمد نہیں ہوا۔'' بھی مبنی بر حقیقت اور صادر از انصاف نہیں جیسا کہ امام مالک اور ابو بکر بن العربی کے گیارہ رکعات اور محمد بن ... اسحاق کے تیرہ رکعات اختیار کرنے سے یہ ظاہر ہے نیز تئیس رکعات ، انتالیس رکعات اور اکتالیس رکعات پڑھنے والے گیارہ رکعات پڑھتے رہے ہیں کیونکہ کم عدد زیادہ عدد کے اندر شامل ہوتا ہے چنانچہ قاضی شمس الدین صاحب مدظلہ نے اپنے بعض رسائل میں بیس پڑھنے والوں کے آٹھ رکعات سنت نبویہ کے عامل ہونے کی تصریح فرمائی ہے تو جب سے گیارہ رکعات پر عمل شروع ہوا اس وقت سے لے کر آج تک ان پر عمل موقوف ہوا نہ رہتی دنیا تک موقوف ہوگا ان شاء اللہ تعالیٰ ۔ پھر جب گیارہ اور تیرہ رکعات پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل کی مہر ثبت ہے تو تیرہویں صدی تو تیرھویں صدی ہے خواہ قیامت تک کے لوگ ان پر عمل در آمد نہ کریں ، ان گیارہ اور تیرہ رکعات کی سنیت کو کوئی طاقت ختم کر سکی نہ کر سکے گی اور بیس رکعات کے سنت نبویہ ہونے کی کسی طاقت نے آج تک ثابت کیا نہ کر سکے گی ۔ رہا بیس رکعات کے خلفائے راشدین کی سنت ہونے کا دعویٰ تو اس کے دلائل کا حال بھی پچھلے صفحات میں لکھا جا چکا ہے اسے ملاحظہ فرمائیں ۔

ورابعاً :

اگر حضرت المؤلف کے اندازِ فکر کو اپنا یا جائے تو پھر ہم بھی یہ کہنے کا حق رکھتے ہیں کہ ''بہر حال یہ روایت داوٗد بن قیس اکیس رکعات والی ترجیح یا تطبیق کے بغیر قابل استدلال نہیں ہے اور ترجیح یا تطبیق کے بعد گیارہ رکعات یا ... تیرہ رکعات پڑھنے والوں کے مدعا پر اس سے کوئی اثر نہیں پڑ سکتا اس لیے کہ ترجیح کے بعد اکیس کا ثبوت ہی نہیں ہوگا اور تطبیق کے بعد یہ ثابت ہوگا کہ عہدِ فاروقی میں چند روز اس پر عمل ہوا اس کے بعد عہدِ فاروقی ہی میں اکیس پر عمل موقوف ہوگیا اور لوگ بحسب امر فاروقی گیارہ رکعات پڑھتے رہے ، پھر صاحب رسالہ ہی کے اندازِ فکر کو پیش نظر رکھتے ہوئے حضرت یزید بن خصیفہ اور حارث بن عبدالرحمن کی روایت کو بھی حضرت داوٗد بن قیس کی روایت پر قیاس فرمالیں ۔ فتامل

حضرت المؤلف لکھتے ہیں :

''یہی وجہ ہے کہ شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ نے جہاں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے تراویح قائم کرنے کا ذکر کیا ہے وہاں گیارہ کا ذکر بھول سے بھی نہیں کیا ، فرماتے ہیں :

((فلما جمعهم عمر على ابى بن كعب كان يصلى بهم عشرين ركعة ويوتر بثلاث '' فتاویٰ ابن تیمیہ اھ ، ص : ۲۴))

''ترجمہ : ... پس جب عمر نے انہیں ابی بن کعب رضی اللہ عنہپر جمع فرما دیا تو وہ انہیں بیس رکعات اور تین وتر پڑھاتے تھے ۔''

اولاً : ... صاحب رسالہ کے کلام میں مذکور ترجیح یا تطبیق کو شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے تراویح قائم کرنے کے بیان میں گیارہ رکعات کے ذکر نہ کرنے کی وجہ بنانا اور بتانا بے دلیل ہے اور جو قول فتاوی ابن تیمیہ سے نقل کیا گیا ہے اس کی دلیل نہیں جیسا کہ اس پر غور و فکر کرنے سے ظاہر ہے جب صورت حال یہ ہے تو پھر اوپر منقول قول صاحب رسالہ کے بیان ''یہی وجہ ہے کہ شیخ الاسلام ... الخ'' میں مذکور حصر و قصر کی دلیل کیونکر بن سکتا ہے ۔

وثانیاً :

شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے اس مقام پر گیارہ رکعات کا ذکر نہ فرمانے سے نفس الامر اور واقع میں حضرت عمر رضی اللہ عنہکے ابی بن کعب اور تمیم داری رضی اللہ عنہ کو گیارہ رکعات پڑھانے کا حکم دینے ، ... حضرت ابی بن کعب اور تمیم داری رضی اللہ عنہ کے گیارہ رکعات پڑھنے اور لوگوں کو عہدِ فاروقی میں گیارہ اور تیرہ رکعات ادا کرنے کی نفی نہیں ہوتی نیز جب حضرت عمر رضی اللہ عنہکا حکم ابی بن کعب و تمیم کا عمل گیارہ رکعات اور لوگوں کا عہدِ فاروقی میں عمل گیارہ اور تیرہ رکعات صحیح آثار سے ثابت ہے تو محض شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول ((فلما جمعھم)) کو لے کر ان صحیح آثار کو رد کرنا کوئی انصاف نہیں ۔

وثالثاً : ... پھر شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول ((فلما جمعھم ... الخ)) بظاہرہ حضرت المؤلف کی نقل کردہ تطبیق کی تردید کر رہا ہے ۔ فتدبر

ورابعاً:

چونکہ بات شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ تعالیٰ کی چل نکلی ہے اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس موضوع پر ان کی تحقیق بھی سپردِ قلم کر دی جائے شاید اس ہی سے کسی کا بھلا ہو جائے چنانچہ ملا علی قاری رحمہ اللہ الباری ... مرقاۃ شرح مشکاۃ میں لکھتے ہیں :

قال ابن تیمیۃ الحنبلی : اعلم انہ لم یوقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی التراویح عددا معینا بل لا یزید فی رمضان ولا فی غیرہ علی ثلاث عشرۃ رکعۃ لکن کان یطیل الرکعات ، فلما جمعھم عمر علی ابی کان یصلی بھم عشرین رکعۃ ثم یوتر)) بثلاث وکان یخفف القراءۃ بقدر ما زاد من الرکعات لان ذالک اخف علی المامومین من تطویل الرکعۃ الواحدۃ ثم کان طائفۃ من السلف یقومون باربعین رکعۃ یوترون بثلاث وآخرون بست وثلاثین واوتروا بثلاث وھذا کلہ حسن سائغ ((ومن ظن ان قیام رمضان فیہ عدد معین موقت عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا یزید ولا ینقص فقد اخطأ ۔ اھ (ج : ۳، ص : ۱۹۳

ترجمہ : ... ابن تیمیہ حنبلی نے فرمایا : '' جان لے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تراویح میں کوئی معین عدد مقرر نہیں فرمایا بلکہ رمضان اور غیر رمضان میں تیرہ رکعت سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے ۔ '' لیکن رکعات کو طویل کرتے '' تھے ، پس جب حضرت عمر رضی اللہ عنہنے انہیں ابی رضی اللہ عنہپر جمع کر دیا تو وہ انہیں بیس رکعات پڑھاتے تھے پھر تین وتر پڑھاتے اور قراءت اتنی ہلکی کر لیتے جتنی رکعات بڑھائی تھیں کیونکہ یہ چیز مقتدیوں کے لیے ایک رکعت لمبی کرنے سے زیادہ آسان تھی ۔ پھر سلف میں سے کچھ لوگ چالیس رکعت قیام اور تین وتر پڑھتے تھے اور کچھ دوسرے حضرات چھتیس رکعت قیام اور تین وتر ادا کرتے تھے او یہ سب صورتیں اچھی اور جائز ہیں اور جو شخص یہ سمجھتا ہے '' (کہ قیام رمضان میں کوئی تعداد معین ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مقرر فرمائی ہے اور جسے انسان نہ کم کر سکتا ہے نہ زیادہ تو اس شخص نے خطا کی ۔ انتہی (ج : ۳، ص : ۱۹۳

اقول : ان الحافظ ابن تیمیۃ رحمہ اللہ تعالیٰ لم ینف فی کلامہ ھذا ثبوت العدد المعین فی التراویح عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم کما توھمہ بعض الناس الیوم ، بل قد اثبت فیہ العدد المعین فیھا عنہ صلی اللہ علیہ وسلم حیث قال : لا یزید فی)) رمضان ولا فی غیرہ علی ثلاث عشرۃ رکعۃ ۔ وانما نفی فیہ توقیف العدد المعین فیھا عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم وھذا ھو المراد بقول السیوطی : ولو ثبت عددھا بالنص لم تجز الزیادۃ علیہ ولاھل المدینۃ والصدر الاول کانوا اورع من ذالک ، ((وبقول الشوکانی الماضی : فقصر الصلاۃ المسماۃ بالتراویح علی عدد معین ... الخ

میں کہتا ہوں ، حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اپنے اس کلام میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلمسے تراویح میں معین عدد کے ثبوت کی نفی نہیں فرمائی جیسا کہ آج کل بعض لوگوں کو وہم ہوا ہے ۔ بلکہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے '' تراویح میں معین عدد یہ کہہ کر ثابت فرمایا کہ رمضان اور غیر رمضان میں تیرہ رکعات سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے ۔ نفی صرف اس بات کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی معین عدد مقرر فرما دیا ہو یہی مطلب سیوطی کے اس قول کا ہے جس میں وہ فرماتے ہیں : '' اگر نص کے ساتھ (صاف لفظوں میں) اس کی تعداد ثابت ہوتی تو اس سے زیادتی کرنا کبھی جائز نہ ہوتا اور اہل مدینہ اور صدر اول کے لوگ اس سے زیادہ بچنے والے تھے ۔ '' اور شوکانی کے '' گزشتہ قول '' اس نماز کو جس کا نام تراویح ہے کسی معین عدد پر بند کرنا ... الخ '' کا مطب بھی یہی ہے ۔

[قرآن وحدیث کی روشنی میں احکام ومسائل]

جلد02ص301-337

محدث فتویٰ